تاریخ آغاز:20080505

ڈھول کا پھول

از

عالیہ بخاری

لکڑی کے رنگ اڑے گیٹ کے دوسری طرف دقیانوسیت اور خستہ حالی کا دور دورہ تھا۔

بدقسمتی سے اس پر یہ بات اس وقت کھلی جب وہ اندر آ چکی تھی۔

کچا پکا بڑا سا احاطہ اس کی توقع کے بالکل برعکس منظر پیش کر رہا تھا۔

بائیں ہاتھ والی دیوار کے ساتھ بنا ہوا مرغیوں کا ڈربہ اور احاطے میں آزادانہ چہل قدمی فرماتا مرغیوں کا کنبہ ہی پہلی نگاہ میں اسکا حوصلہ پست کرنے کے لیئے کافی تھے۔مگر یہاں ان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا۔

وہ بے ساختہ ہی دو قدم چل کر جائزہ لینے کے لیئے رک گئی۔

املتاس کا بڑا سا درخت پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ کچھ سوکھ کر نیچے گر گئی تھیں،اس سے زرا ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگا کر رکھی ہوئی میز پر کاٹھ کباڑ کا ڈھیر۔

گھی کے خالی ڈبے، پرانے اخبار، پلاسٹک کی ٹوٹی ہوئی بالٹی، لوہے کے زنگ آلود تار۔

۔۔وہ حسب عادت تفصیل سے جائزہ لینے لگی تھی کہ جسیم بھائی کی آواز نے اس بے ضرر سے شوق میں خلل ڈالا۔

اندر چلو زارا بڑی سخت دھوپ ہے یہاں۔

جی۔وہ شرمندہ سی ہو کر آگے بڑھی۔ پتہ نہیں اندر کیا پک رہا تھا۔ بڑی مزیدار سی خوشبو سارے گھر میں اڑتی پھر رہی تھی۔

لکڑی کے ہری جالی والے دروازے تک وہ جسیم بھائی کے پیچھے مزید ادھر ادھر دیکھے بغیر ہی گئی تھی۔ برآمدہ ٹھنڈا اور نیم تاریک تھا۔

باہر کی تپش کو جھیل لینے کے بعد فوری طور پر تو اسے صاف کچھ دکھائی نہیں دیا، چند لمحوں بعد منظر صاف ہوا تو سامنے تخت پر بیٹھی صابرہ

بھابھی بھی نظر آئیں۔ پابندی کے ساتھ آنے والے جسیم بھائی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار وہ بھی خاص موقعے پر آ ہی جاتی تھیں۔

سو انہیں دو ڈھائی سال بعد دیکھنے کے باوجود بھی اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

تخت پر بچھی ایک میلی سی دری پر وہ عجیب شان بے نیازی سے بیٹھی تھیں۔

السلام علیکم بھابھی۔

خود بخود ہی اس کا لہجہ پرتپاک سا ہو گیا۔آخر اتنی دور سے اسے جسیم بھائی خود بصد اصرار لے کر آئے تھے۔

وعلیکم۔۔آ کر آ ہی گئیں تم۔ وہ نہ اپنی جگہ سے ہلیں اور نہ ہی مروتاً بھی انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

جی۔فوری طور پر تو زارا کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کس قسم کا خیر مقدم ہے۔

بیٹھو زارا کھڑی کیوں ہو؟ جسیم بھائی نے ایک کرسی کھینچ کر آگے کی تو وہ کچھ ہچکچاتے

ہوئے بیٹھ گئی۔

بڑی ہمت کی رابعہ آپا نے جو اکیلی لڑکی کو اتنی دور بھیج دیا۔ وہ بھی نوکری کرنے کے لیئے ۔انہوں نے معلوم نہیں کسے مخاطب کر کے کہا تھا۔مگر اس بار زارا کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی کہ صابرہ بھابھی کی باتوں کو سمجھنا از حد مشکل بلکہ ناممکن سا امر ہے۔

جیسے ابھی انہوں نے اماں کو جو کومپلیمنٹ دیا تھا اس پر خوش ہونا چاہیئے یا برا مان جانا چاہیئے ؟

جسیم بھائی نے اس کا بیگ وہیں کرسی کے پاس رکھ دیا تھا اور تخت پر بیٹھی صابرہ بھابھی کڑی نگاہوں سے اس کے بیگ کو دیکھتے ہوئے شاید اس کے قیام کے عرصے کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھیں۔

کتنی تنخواہ مل جائے گی تمہیں یہاں نوکری کرنے پر۔؟

جی ۔۔وہ پتہ نہیں۔اس نے امداد طلب نظروں سے جسیم بھائی کی طرف دیکھا۔ یہ قطعی ان کا شعبہ تھا، وہ تو بس ان کے کہنے پر منہ اٹھائے یہاں چلی آئی تھی۔

دونوں لڑکے رابعہ آپا کو کچھ روپے تو دیتے ہی ہوں گے خرچ کے واسطے یا بالکل ہی ہاتھ اٹھا رکھا ہے دونوں نے۔

زارا کو اپنے ماتھے پر پسینے کے قطرے محسوس ہونے لگے۔جسیم بھائی اکے پچھلے سوال پر ہی مسکراتے ہوئے بغیر کوئی جواب دیئے شاید ہاتھ منہ دھونے چلے گئے تھے۔

انہیں یقیناً اس طرح کی باتوں کی پوری طرح سے عادت پڑ چکی تھی۔

مگر اسے آئے ابھی بمشکل پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے اور کسی سے بھی اتنی مختصر ترین مدت میں اس درجہ ذاتیات پر اترنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔مگر اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہٹ کر ہور ہو تھا۔سو یہ بھی سہی۔دیتے ہی صابرہ بھابھی بڑے بھی اور چھوٹے بھیا بھی۔ بھائیوں کی طرف سے اسکا دل چاہے کتنا بھی دکھا ہوتا، اسے ان کی عزت گھٹانی کبھی بھی منظور نہیں تھی۔

اونہہ۔ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے بیٹھی صابرہ بھابھی نے سر کو ہلکے سے جھٹکا دیا جیسے کہہ رہی ہوں ہمیں سب پتہ ہے۔

تمہاری اماں نے بھی تو حد ہی کی دونوں بیٹوں کی شادی خاندان سے باہر ہی کی ۔ خاندان کی لڑکی ہوتی تو کچھ تو لحاظ کر لیتی۔

وہ غضب کی قیافہ شناس تھیں۔زارا سر جھکائے فرش کو گھورنے لگی۔تخت کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا تھا۔اور اس کے نیچے ایک اینٹ لگا کر اسے بیلنس کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔یہ خاندانی کی تھیوری بھی بالکل فلاپ ہی تھی۔قریبی رشتے داروں میں ایک چھوڑ کئی مثالیں تھیں۔ جہاں خاندانی بیویاں اس کی بھابھیوں سے بدتر تھیں۔یہاں کوئی اور نہ سہی کم از کم دونوں بھائی تو بے حد خوش تھے۔اپنی اپنی پسند سے شادی کر کے۔

تمہارا رشتہ طے ہونے میں بھی اسی لیئے دیر ہو رہی ہے ظاہر ہے جب تمہاری اماں نے

خاندان کی کسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنایا ہے تو خاندان والے تمہیں۔۔۔

صابرہ۔جسیم بھائی واش روم سے واپس آ کر پکارے تھے۔

صابرہ بھابھی کا تجزیہ بیچ میں ہی رہ گیا۔شاید وہ یہ کہنے والی تھیں کہ خاندان والے تمہیں کیوں منہ لگائیں گے۔زارا نے دل میں ان کا جملہ پورا کیا۔

تم نے ابھی تک چائے بھی نہیں بنائی ہے۔زارا بیچاری بھی کیا سوچ رہی ہوگی کہ جسیم بھائی کے گھر آ کر کوئی غلطی تو نہیں کر بیٹھی۔

جسیم بھائی عام طور پر مزاق کے موڈ میں ہی رہتے تھے مگر صابرہ بھابھی ہر بات کو سنجیدگی سے لیتی تھیں۔

بنا رہی ہوں یونہی دو چار باتیں کرنے بیٹھ گئی تھی۔تمہاری یہ وقت کی مہمانداری بھگتنی تو مجھے ہی پڑتی ہے نا۔

اپنی گھسی ہوئی چپل میں پاؤں گھسا کر وہ آخر کھڑی ہوگئیں۔ماتھے پر مستقل پڑے رہنے والے بل کچھ اور بھی گہرے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

زارا کو ان کا رویہ مکمل طور پر مایوس کر چکا تھا حالانکہ پتہ تو تھا ہی کہ جسیم بھائی کی بیوی بدمزاج بھی ہیں اور کنجوس بھی مگر جسیم بھائی کی محبت اور خلوص پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جا سکتا تھا،

صابرہ کی باتوں کا برا نا ماننا وہ زبن کی کڑوی ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں ہے۔تمہیں اس

کے ساتھ رہنے میں تکلیف تو ہوگی مگر می ہوں نا اس لیئے فکر کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ان کا شفیق لہجہ۔

زارا کو سارے اندیشے ہوا میں تحلیل سے ہوتے محسوس ہونے لگے۔

کوئی بات نہیں جسیم بھائی۔

صابرہ بھابھی چائے لے کر آئیں تو وہ اور جسیم کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

انہوں نے چائے وہیں تخت کے کونے پر رکھ دی۔جھٹکے سے رکھی گئی تھی اس لیئے چھلک کر ٹرے میں گر گئی۔

آپ نہیں پی رہیں چائے؟ زارا نے چائے کا
کپ منہ سے لگانے س پہلے اپنایت سے ان کی طرف دیکھا۔

میں نے نہیں پال رکھی بے کار کی علت۔عادت بھی خراب اور پیسے کا ضیاع بھی۔

زارا چپ سی ہوگئی۔آگے بات بھی کیا کی جا سکتی تھی۔چائے پھیکی تھی اور دودھ بھی برائے نام تھا پھر بھی وہ صبر شکر کر کے پی گئی۔

تم تھوڑی دیر آرام کر لو پھر اٹھ کر کھانا کھا لینا۔جسیم بھائی کا مشورہ غنیمت تھا سو وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

چھ گھنٹے کا کوچ کا سفر اس کے لیئے تو تلخ تجربہ ٹھہرا تھا۔اصل میں اسے سفر کی عادت بھی نہیں تھی۔بچپن میں ایک دو بار جب ابا بھی زندہ تھے وہ ضرور ادھر ادھر مختلف شہروں میں بسے

رشتے داروں کے گھر تقریبات میں گئی تھی ،مگر اب کئی سال سے یہ سلسلہ بھی موقوف تھا۔ ابا اللہ کی مرضی سے اب نہیں رہے تھے اور اماں نے اپنی مرضی سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ خاندانی تقریبات اور دیگر سوشل ویزٹ اب بھابھیوں کی اولین زمہ داری بن چکے تھے۔ جنہیں وہ اتنا خوشی خوشی نبھاتیں کہ حیرت ہوتی تھی۔

برآمدے کے آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے سے پہلے والا کمرہ اس کے لیئے منتخب ہوا تھا۔ آخری دروازہ اسٹور کا تھا۔

کھلے دروازے میں سے نظر آتے اوپر نیچے رکھے بکسوں کو دیکھ کر اس نے دل میں ایک بار تو شکر ہی ادا کیا۔

کم از کم جسیم بھائی کے گھر اسے ایک کمرہ تو مل ہی گیا تھا ورنہ اگر صابرہ بھابھی یہیں ان بکسوں کے بیچ جگہ بنا کر اس کا پلنگ لگا دیتی تو وہ کیا کر لیتی ،

شاید صابرہ چادر بچھانا بھول گئی تھی ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں۔ کمرے کے اندر کھڑے جسیم بھائی شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔

رہنے دیں جسیم بھائی چادر میرے پاس ہے۔ وہ انہی روک کر جلدی سے بیگ کھول کر چادر نکالنے لگی۔ اماں نے دو تین چادریں رکھی تھین۔ تھیں تو استعمال شدہ لیکن صاف شفا چادر نے بستر پر بچھی میلی سی دری کو چھپا لیا تھا۔ اسی کے ساتھ سرہانے کا غلاف اس نے سرہانے پر چڑھایا اور مڑ کر فخریہ انداز میں جسیم بھائی کو دیکھنے لگی۔

وہ جواباً مسکرا دیئے ایسی مسکراہٹ جس میں ہلکا سا رنج چھلکتا تھا۔

مجھ پتہ ہے بیٹا یہاں بھی تمہارے لیئے کوئی اچھی صورتحال نہیں ہے مگر انشاللہ یہ وقت بھی نکل ہی جائے گا۔ میں بڑی امید کے ساتھ تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔

ان کا ہاتھ لمحہ بھر کے لیئے اس کر سر پر آن ٹھہرا اور پھر وہ بنا اس کی طرف دیکھے باہر چلے گئے۔

وہی تھے جو نجانے کب سے قدم قدم پر حوصلے کا سبب بنتے آ رہے تھے۔ اس کے لیئے بھی اور اماں کے لیئے بھی۔

اماں کے اکلوتے مرحوم بھائی کی اکلوتی اولاد جو اس سے عمر میں اتنے بڑے تھے کہ بچپن سے ہی وہ ان کے منہ سے بیٹا کا لفظ سنتی آ رہی تھی۔ معلوم نہیں کس خوشی میں اسے اور اماں کو اپنی زمہ داری سمجھتے تھے اور نبھاتے بھی تھے۔

وہ جب بھی جسیم بھائی کے بارے میں کچھ سوچنا چاہتی۔ بڑے اور چھوٹے دونوں بھائی ان کے دائیں بائیں کھڑے دکھائی دینے لگتے۔ جھینپے جھینپے سے نظریں چراتے ہوئے۔

اس وقت وہ انہیں یاد کرنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ ادھ کھلے دروازے کو برابر کرتے ہوئے وہ بیڈ پر آ بیٹھی۔ کمرے میں ایسا کچھ نہیں تھا جسے دیکھنے کے لیئے اسے تردد کرنا پڑتا۔

سامنے دیوار کے ساتھ لگی لوہے کی الماری جس کا آدھا شیشہ سلامت تھا۔ دو کرسیاں ویسی ہی جیسی برآمدے میں بچھی تھیں اور چھت پر لگا پنکھا۔

جس کی گھر گھر رہ شاید لوری کا کام دیتی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا، بیحد غنیمت تھا، زارا کو تو ایسا ہی لگا تھا۔

سفر کی تھکاوٹ، جسیم بھائی سے ملا دلی اطمینان اور مستقل آنکھوں میں بسی اماں کی شبیہہ ایک گہرے سکون کا احساس آنکھوں کو بوجھل کر رہا تھا۔

کتنے ہی دن بعد وہ چین کی نیند سوئی تھی۔

جسیم بھائی کا خیال تھا کہ وہ چند دن آرام کرنے کے بعد جاب جوائن کرے مگر زارا ان کی اسی ایک بات سے متفق نہیں تھی۔ خالی گھر میں بیٹھ کر کرنا بھی کیا ہے جسیم بھائی اور پھر جتنے دن آرام میں گزارے جائیں۔ اتنے دن میں تو انسان خود کو باآسانی نئی جگہ پر سیٹ بھی کر سکتا ہے۔

بات تھی بھی ٹھیک جسیم بھائی کو ماننا پڑا۔

اس کے لیئے نوکری کا بندوبست وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ بیگ صاحب ان کے پرانے دوست تھے۔ مدت سے ایک گارمنٹ فیکٹری چلا رہے تھے، ساری ورکرز لڑکیاں تھیں۔ زارا کو انہوں نے وہیں پر رکھوایا تھا۔

کام کرنے والی لڑکیوں کے حسابات کی دیکھ بھال تھوڑا بہت دوسرا آفس ورک اور بیچ میں دو تین بار اٹھ کر راؤنڈ لگا لینا کہ سب کام ٹھیک سے ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔

جس ہال میں کام ہوتا تھا وہیں داخلی دروازے کے سامنے تھا، بیگ صاحب خود ساتھ

والے کمرے میں بیٹھتے تھے ان کا ایک بیٹا بھی تھا مگر وہ کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا تھا، اس کے زمے شاید انہوں نے مارکیٹنگ کا کام کر رکھا تھا۔

یہ ایک سرسری سا جائیزہ تھا جو بالکل شروع کے دنوں میں اس نے مکمل کیا تھا۔

مجموعی طور پر ماحول تسلی بخش تھا۔ خود کو نئی جگہ پر سیٹ کرنے کا جو خوف پچھلے کئی دنوں سے اس پر سوار تھا رفتہ رفتہ زائیل ہو رہا تھا۔

ورکرز خواتین کے سر پر کھڑے رہنا مجھے خود کبھی بھی اچھا نہیں لھا، کسی خاتون کی موجودگی میں وہ اپنا کام کافی ریلیکس انداز میں نپٹاتی ہیں۔ کافی سال سے میرے پاس ایک خاتون تھیں، انہوں نے یہ شبہ سنبھالا ہوا تھا۔ اب ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی سو انہوں نے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جسیم نے کہا تھا تم اس کام کہ بہت اچھی طرح سنبھال سکتی ہو۔

بیگ صاحب نے ایک دن جب وہ ان کے آفس میں کوئی کام سمجھنے کے لیئے آئی بیٹھی تھی بڑے رسان سے اسے ساری صورتحال بتائی تھی۔ وہ بڑی سعادت سے جی جی کرتی رہی تھی۔

(جسیم بھائی نے اس کی صلاحیتوں کے بارے میں اتنے وثوق سے پتہ نہیں کیسے دعوی کر لیا تھا)، بیگ صاحب حقیقتاً شریف آدمی تھے اور جسیم بھائی اسے کسی ایسی ویسی جگہ پر تو رکھوا بھی نہیں سکتے تھے۔ بات صرف بیگ صاحب پر آ کر ختم نہیں ہو رہی تھی۔

اتنی بڑی تعداد میں کام کرنے والی لڑکیاں اور خواتین کے درمیان روزانہ ہی کوئی نہ کوئی

مسلہ درپیش رہتا۔ اتنے سارے لوگوں کا روزانہ ایک ہی چھت کے نیچے آٹھ سے دس گھنٹے گزارنا مزاق نہیں تھا وہ بھی خواتین۔

خواندہ، نیم خواندہ، حساس، زودورنج، صابر۔

ہر طرح کی عورتوں سے اس کا سارا دن سابقہ لگا رہتا۔ کسی کو ایڈوانس درکار ہوتا اور کوئی اوورٹائم کی متمنی ہوتی۔ کسی کو آدھی چھٹی اس درخواست کے ساتھ درکار ہوتی کہ اس کی تنخواہ کی کٹوتی نہ کی جائے۔ کسی کسی دن ایک الگ ہی شور اٹھتا۔

کسی کی کی بھی رقم یا کوئی اور شہ غایٔب ہو جاتی اور وہ سیدھا سیدھا اسی پر الزام دھرتیں جس سے اسے سب سے زیادہ چڑ رہتی تھی۔

ان سارے چھوٹے بڑے ہنگاموں کے پیچھے ایک ہی سبب کارفرما تھا۔

نامساعد حالات اور سخت معاشی دباؤ۔ سب ہی کے

مسائل کم وبیش ایک ہی سے گنجلک تھے۔

زارا اپنی سی سرتوڑ کوشش می لگی رہتی کہ کسی طرح بھی سہی وکسی دوسرے کی پریشانی کو تھوڑا سا ہی کم کر سکے۔

روزانہ ہی بیگ صاحب کے پاس اسے کسی نہ کسی سفارش کرتے ہوئے شرم بھی آتی مگر ابتدائی پندرہ بیس دنوں میں ہی وہ ان سب می اچھی خاصی مقبول ہو چکی تھی۔

رات کے کھانے پر جسیم بھائی ساری رپورٹ پابندی سے سنا کرتے۔ مسائل تو زندگی

کے ساتھ ہی ہیں، سب کے ہی۔

پانی کے گلاس کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔ مگر بیٹا اس طرح ہر بات کو اپنے اوپر سوار رکھو گی تو تم خود بیمار پڑ جاؤ گی۔ لوگوں کے کام آنا بہت اچھی بات ہے لیکن اس کے لیئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہمارے اپنے اعصاب اور جسم مضبوط ہوں۔

جی وہ ہلکے سے اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

ابھی ابھی وہ ایک ورکر کے بہن بھائیوں کے بروقت اسکول فیسیں جمع نہ کرا سکنے کا قصہ سنا کر فارغ ہوئی تھی۔

میں تو کہتی ہوں کہ یہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے، متھے پر کس کے لکھا ہوتا ہے کہ وہ ضرورت مند ہے۔ مگر تم جیسے بے وقوف یونہی ہر ایک کے ہاتھوں الو بنتے ہیں۔ صابرہ بھابھی کا تبصرہ کم و بیش روزانہ ہی ایک جیسا ہوتا۔

زارا ہنس پڑی۔

ان کی عادت سے وہ اتنا تو مانوس ہو گئی تھی۔

آج دسترخوان پر اکٹھی دو چیزیں موجود تھیں۔ ماش کی دال اور بھنڈی۔ عموما وہ سبزی یا دال میں سے کوئی ایک چیز ہی پکایا کرتی تھیں۔ کیا فایٔدہ ہے اسراف کا پیٹ ہی تو بھرنا ہے یہ بات وہ اٹھتے بیٹھتے دہرایا کرتی تھیں۔

پر ایک بات ضرور تھی۔ دال سبزی، چٹنی جو کچھ بھی بناتیں، بیحد مزیدار۔ ان کے ہاتھ میں

واقعی لزت تھی۔

زارا تعریف کرنا نہ بھولتی۔ دل ہی دل می چاہے وہ خوش بھی ہوتی ہوں مگر ان کے چہرے کے تاثرات سے کچھ بھی جان لینا بڑا مشکل تھا۔

کھانا کھایا جا چکا تھا، زارا برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئی۔ چھوٹے چھوٹے کئی کا صابرہ بھابھی کے اعتراض کے باوجود اس نے اپنے زمے لے لیئے تھے۔

تم رہنے دو میں خود دھولوں گی تم تو مہینے بھر کا صابن ہفتے بھر میں ختم کر دو گی۔ جتنی دیر اس نے برتن دھوئے وہ روز کی طرح کھڑی تنقید کرتی رہیں۔

حالانکہ وہ اتنی بھی شاہ خرچ نہیں تھی۔ اس کے حالات نے کبھی اتنی اجازت ہی نہیں دی تھی مگر، نیکی برباد گناہ لازم۔

شروع میں ان کے اس قسم کے تبصرے دل کے بے حد دکھان یک اسبب بنے تھے مگر اس کو حالات کے مطابق جو خود کو ڈھال لینے کی صلاحیت وقت نے سکھا دی تھی اب بڑی کام آ رہی تھی۔ برتنوں کے بعد سنک پھر چولہا اور پھر سلیب، کچن تھوڑی دیر میں ہی چمک اٹھا، صابرہ بھابھی کچھ دیر تک تو اسے بوکھلانے کا فریضہ سرانجام دیئے گئیں پھر جیسے تھک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کے باہر چلی گئیں۔

ان کی تنقید کا دورانیہ اب پہلے سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ زارا چائے بنا کر لائی تو جسیم بھائی ٹیلیفون کان سے لگائے کھڑے تھے۔

آجاؤ زارا رابعہ آپا سے بات کرلو اسے دیکھتے ہی وہ پکارے تھے۔

دو چار دن می وہ ضرور ہی اس کی بات اماں سے کرواتے تھے۔ انہیں تسلی حاصل ہو جاتی تھی اور وہ جسیم بھائی کی اور بھی احسان مند۔

صابرہ بھابھی کی طبیعت پر ایک اور فضول خرچ کتنا گراں گزرتا ہوگا، زارا کو اندازہ تھا۔ سو وہ پہلی تنخواہ ملتے ہی فون کا بل خود ادا کرنے کا پکا ارادہ کیئے بیٹھی تھی۔

سامنے بیٹھی صابرہ بھابھی سے نگاہ چراتے ہوئے وہ

بڑی تیزی سے فون تک آئی۔ دوسری طرف اماں تھیں، جن کی آواز سن کر اسے مسائل، ساری تھکن، سارکوفت سب ہی کچھ وقتی طور پر پیچھے چلے جاتے تھے۔

زیادہ کام نہ کیا کرو، کھانا وقت پر کھالیا کرو، ناشتہ کرتی ہو یا نہیں۔

وہ ہر بار کم وبیش یہی باتیں پوچھا کرتی تھیں اور زارا کو ان کے جوابات اب اتنے رٹ گئے تھے کہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان کے بارے میں جانے کہ وہ اس کے چلے آنے کے بعد وہاں کس رطح رہ رہی ہیں۔

کوئی ان کا خیال رکھ رہا ہے یا نہیں جس کی امید اسے کم ہی تھی۔

آپ کے گھٹنوں کا درد کیسا ہے دوا ختم ہو جائے تو اور منگوا لیجیئے گا۔

وہ کہہ کر خود ہی اداس بھی ہوگئی۔ بھابھیوں کہا کرتی تھیں کہ بڑھاپے میں سب ہی کو یہ تکلیفیں گھیرتی ہیں۔ انسان کہاں تک دوا کیئے جائے،

میری فکر نہ کرو بس تم اپنا خیال رکھا کرو، میری دوائیں اشرف پابندی سے لا کر رکھتا ہے۔

اشرف اس کے بڑے بھائی کا نام تھا اور اگر وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے تو بہت اطمینان کی بات تھی مگر پھر بھی دل میں کوئی کھٹک سی اماں سے بات کر لینے کی ہمیشہ ہی رہ جاتی تھی۔

اماں صابرہ بھابھی کی خیریت دریافت کر رہی تھیں، شروع میں انہیں صابرہ بھابھی کی طرف سے فکر رہتی تھی، مگر زارا نے اس پورے مہینے میں ان کی اتنی زیادہ تعریفیں کر ڈالی تھیں کہ اب وہ بالکل مطمئن ہو گئی تھیں۔

بہت اچھی ہیں، میرا بہت خیال رکھتی ہیں اور کھانا تو اتنا اچھا پکاتی ہیں کہ تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ جسیم بھائی نے ٹی وی بند کیا اس کی وجہ سے یا پھر وہ ہی غیر ارادی طور پر زارا زور سے کہہ گئی تھی۔

صابرہ بھابھی نے یک بارگی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

زارا فون بند کر کے واپس ان کے پاس آ بیٹھی، امی کی دعائیں سلام ان تک پہنچا کر اسے کچھ خیال سا آیا۔

صابرہ بھابھی۔ ہوں۔

سلمان کا فون آتا ہے آپ کے پاس؟

ہاں وہ جیسے گڑبڑا گئیں۔ انہیں اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ آتا ہے، جسیم بات کرتے ہیں۔ می نہیں۔ ان کے لہجے میں وہی مخصوص سختی تھی مگر چہرے پر ایک ہلکا سا سایہ

اترتے زارا نے خود محسوس کیا تھا۔

آپ بھی کر لیا کریں، وہ کتنا مس کرتا ہوگا نا آپ کو۔ ان کے معاملے میں دخل اندازی بڑی جرات کی بات تھی مگر اس وقت وہ یہ جرات کر بیٹھی تھی۔

کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے سبق پڑھانے کی۔

وہ حسن توقع خفا ہوئیں اگر مجھے مس کر رہا ہوتا تو تین سال میں ایک بار بھی مجھے شکل دکھانے نہیں آتا۔ جو اس کے سگے ہیں ان سے ہی اس کا واسطہ ہے سنا ہے شارجہ سے روز تحفے تحایف چلے آ رہے ہیں۔

آپ سے زیادہ تو کسی کا بھی اس پر حق نہیں ہے۔ آپ اس پر ایک بار اعتبار تو کریں۔ کیا خبر سبین اچھی لڑکی ہو۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ خاندان سے باہر سے آنی والی لڑکیاں لازماً غلط ہی نکلیں۔ دیانت داری سے دیکھیں تو خاندانی شادیاں کون سی کامیاب ہیں۔ بس ایک پریشر میں ہی زندگی گزرتی ہے۔ آدمیوں کی بھی اور عورتوں کی بھی۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں بھی اپنا وہی حشر بنواؤں جو تمہاری اماں کا ہے وہ اور بھی بگڑنے لگیں۔

انہیں سمجھانا ازحد مشکل کام تھا۔ مگر پھر بھی زارا اس
کوشش کو آئندہ بھی جاری رکھنے کا ارادہ کیئے ہوئے تھی۔

آج ایک لڑکی کی خاطر ماں باپ کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے، کل جب اسے گھر میں لے

آئے گا تو ہمیں تو نکال باہر ہی کھڑا کر دے گا۔

بیت سے مفروضے یقین کا روپ دھار لیتے ہیں۔صابرہ بھابھی بھی تین سال سے ایسا ہی یقین دل میں جمائے ہوئے تھیں۔سلمان محلے کی ہی کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر مسلسل پچھلے تین سال سے خودساختہ جلاوطنی اختیار کیئے ہوئے تھا۔

اکلوتی اولاد اور ابھی عمرن تو دیکھو صاحبزادے کی۔وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھیں۔

زارا کے خیال میں معاملہ اتنا گھمبیر نہیں تھا جتنا صابرہ بھابھی کی ضد نے بنا دیا تھا۔

لائیں میں آپ کے سر میں تیل لگا دوں۔ان کے کمرے سے تیل کی شیشی لا کر وہ پھر ان کے سے پر کھڑی ہوئی تھی۔

نہیں رہنے دو بس۔کسی بھی بات کو وہ ایک بار کہنے سے مان جانے والی کہاں تھیں۔زارا اصرار کیئے گئی۔

لگوا کر تو دیکھیں کتنا آرام آئے گا۔اماں تو روز ہی لگواتی ہیں۔

اچھا بس اب تم اصرار کر رہی ہو تو لگا ہی دو مگر خیال رکھنا کہیں پوری شیشی ہی خلای کر دو۔ میں پورے تین مہینے چلاتی ہوں۔

کچھ موم ہوتے ہوئے بھی انہوں نے تاکید کرنا ضروری سمجھا۔آپ فکر مت کریں۔

زارا واقعی اچھی مالش کرتی تھی یا انہیں ہی برسوں سے خدمت کا ہلکا سا سکھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔چند ہی منٹ میں انہیں سچ مچ مزہ آنے لگا۔چپ چاپ بڑی دیر تک بیٹھی لگواتی رہیں

۔

اب بس کرو میری تو آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی ہیں۔انہیں واقعی نیند سی آنے لگی تھی۔

زارا نے ان کے بالوں کیچ وٹی ابندھی۔سہارا دے کر سامنے کمرے تک پہنچایا اور پھر ٹھنڈے پانی کا گلاس ان کے سرہانے لا رکھا۔

:اس نالایق سے اچھی تو بیٹی ہی رہتی،کم از کم کچھ آرام تو دیتی۔

زارا جب لائیٹ آف کر کے باہر نکل رہی تھی تو اس نے انہیں کہتے سنا۔اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے تیل کی شیشی کا کوئی زکر نہیں کیا تھا جو ان کے منع کرنے کے باوجود بھی آدھی تو ہو ہی گئی تھی۔

کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔

وہ اپنے سامنے کھلی فائل کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ فوری طور پر سر اٹھا کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔

آ جائیں۔دبے قدموں سے چلتا ہوا کوئی اس کی میز کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔

چند لمحے تو وہ سر جھکائے کو دہی منتظر رہی کہ آنے والا کچھ کہے مگر دوسری طرف چھائی خاموشی نے اسے سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔سامنے گیتی آراء کھڑی تھی۔

ایک گہری سانس اندر اتارتے ہوئے زارا نے سامنے رکھی فائل کو بند کیا تھا،

بیٹھو گیتی۔

معلوم نہیں اس وقت وہ کیا ڈیمانڈ لے کر آئی ہوگی۔زارا نے اندازہ لگانا چاہا۔

اتنی بہت ساری عورتوں میں صرف گیتی تھی جس کے لیئے زارا کے زہن میں ضرورت سے زیادہ ڈیمانڈ کا لفظ آتا تھا،

وہ ان ورکرز میں سے تھی جو ڈیلی ویجش پر کام کرتے تھے حالانکہ اسے اس کی ضرورت نہیں تھی اس کا تعلق متوسط گھرانے سے تھا۔اور یہ نوکری اس کے اوپر کسی سخت معاشی دباؤ کا نتیجہ نہیں تھی ایسا تاثر خود اس کی باتوں سے بخوبی معلوم ہوتا تھا۔

وہ واحد عورت تھی جس سے زارا کو ہمدردی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر لحاظ اور مروت سے کسی وقت بھی چھٹکارا پانا آسان کام نہیں ہوتا۔

کیا بات ہے گیت۔۔کوئی کام تھا؟

جی۔۔۔وہ کام تو نہیں۔۔بس وہ ایک بات کرنی تھی۔گیتی زرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔

ہوں زارا چاہ رہی تھی کہ وہ جلدی سے اپنی بات ختم کرے تا کہ وہ بھی اپنا بقیہ کام نپٹا سکے

۔

اصل میں میں چاہ رہی تھی کہ آپ مجھے اگلے ہفتے اوورٹائم پر لگوا دیں۔گھر میں بیٹھے بیٹھے میں بور ہو جاتی ہوں۔

اگلا ہفتہ زارا کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔کیونکہ اگلا ہفتہ محض دو دن بعد شروع ہو رہا تھا اور ابھی دس دن پہلے تک گیتی مسلسل اوورٹائم کر رہی تھی۔سو اس نے یاد دلانا ضروری سمجھا مگر وہ پھر بھی مصر رہی۔

میرے شوہر بہت دیر سے گھر آتے ہیں۔گھر می خالی بیٹھے بیٹھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔یہاں پر کم از کم کام می تو مصروف رہتی ہوں۔

گھر میں بھی تو مصروف رہنے کے لیئے بہت سے کام ہوتے ہیں۔مشورہ دیتے دیتے زارا کو یاد آیا کہ گیتی کی اولاد نہیں ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ اسے گھر کے کاموں سے جلد فراغت مل جاتی ہو۔سو اس نے بیچ میں ہی دانستہ بات بدل دی۔

تم ٹی وی دیکھا کرو،آج کل تو اتنے چینلز آ گئے ہیں ارو پھر پاس پڑوس میں بھی تو کوئی ہوگا۔وہاں آیا جایا کرو۔

ٹی وی دیکھنے کا مجھے سچی بات ہے شوق نہیں اور پھر آس پڑوس میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جس سے ملنے کو دل چاہے زارا کو مشورے کا جواب دیتے ہوئے اس کے چہرے پر ایسی تمسخرانہ مسکراہٹ تھی کہ خود زارا کو شرمندگی ہونے لگی۔

بات یہ ہے گیتی زارا کے لہجے میں ہلکی سی رکھائی آ ہی گئی۔ہماری چھوٹی سی فیکٹری ہے اور بیگ صاحب کی ہدایت ہے کہ اوورٹائم زیادہ تر ان خواتین کو دیا جائے جو واقعی مستحق ہیں۔تمہارے ساتھ تو ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے۔

آپ سفارش کریں نا میری بیگ صاحب سے وہ یونہی جیسے مشورتاً کہنے لگی۔اس کے انداز میں لجاجت یا درخواست کرنے کا تاثر کبھی بھی نہیں ہوتا تھا۔جیسے ساتھ کام کرنے والی دوسری خواتین کا ہوتا تھا۔جب وہ فیکٹری سے کوئی فیور حاصل کرنے کے لیئے کوئی امید لے کر آتیں۔

میں کہ کر دیکھوں گی بیگ صاحب سے مگر مجھے نہیں امید کہ وہ مان جائیں گے۔

اچھا جیسے آپ کی مرضی وہ کرسی کھسکا کر یوں اٹھ کھڑی ہوئی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

یہ شاید پہلا انکار تھا جو زارا نے یہاں کسی کو کیا تھا اس لیئے شاید اسی افسوس کو مٹانے کے لئے وہ ویسے ہی تھوڑا کہہ گئی۔

سنو گیتی۔وہ دروازے کی طرف مڑتے مڑتے رک گئی۔

تم ڈیلی ویجز پر کام کیوں کرتی ہو۔مہینے بھر کی تنخواہ کا حساب رکھا کرو۔ایک ساتھ پیسے بھی زیادہ ملیں گے گیتی نے ہلکے سے کندھوں کا جنبش دی۔

نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے۔

وہ ایک درمیانی عمر کی عورت تھی مگر اس کے انداز میں ایک بڑی اچھوتی سی بے ساختگی تھی کسے صرف ،حسوس کیا جا سکتا تھا اور یہی اس کی دل کشی تھی۔

اصل میں میرے اپنے خرچے بہت ہیں،اس طرح میرے پاس ہر وقت پیسے رہتے ہیں ۔میاں سے ہر بار مانگنے نہیں پڑتے اپنی بات کے اختتام پر وہ پھر ہلکے سے مسکرائی۔

وہی مسکراہٹ جس کے آگے زارا خود کو احمق سا محسوس کرنے لگتی۔ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی زارا نے اس پر سے توجہ ہٹاتے ہوئے دوبارہ فائیل کھول لی۔

چند لمحوں بعد سر اٹھا کر دیکھا تو وہ جا چکی تھی ۔کتنی عجیب عورت ہے ۔زارا کا دھیان نا چاہتے ہوئے بھی بار بار اس کی طرف جانے لگا۔ مے تحاشہ کام کرتی اور ساری آمدنی جیسے منٹوں میں ختم کر دیتی۔

آئے دن شوہر کے ساتھ ،کھانا ،آؤٹنگ ،شاپنگ ،اسے اپنے میاں کے لیئے شاپنگ کرنے کا بہت شوق تھا۔اس ایک مہینے میں ہی اس نے کم از کم زارا کو چار پانچ بار اس کے لیئے خریدے گئے تحائف کی تفصیل سنائی تھی۔کپڑے ،پرفیوم وغیرا وغیرہ۔

ابھی بچے نہیں ہیں اسی لیئے شاید دل کھول کر خرچ کرتی ہے زارا نے ایک جواز ڈھونڈ ہی لیا۔

اور جب وہ گیتی آراء کے رویے کے متعلق خود کو مطمئین کر چکی تھی۔ثمینہ اور حسنہ اس کے کیبن میں چلی آئیں۔

چائے کا وقفہ تھا اور وہ دونوں اول ہی دن سے کود کو زارا کا اسسٹنٹ سمجھنے لگی تھیں ۔ دونوں ہبت پرانی تھیں محول کو اور لوگوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھتی تھیں ۔اس لیئے زارا بھی ان سے مشورے لینے میں اپنے لیئے آسانی پاتی ھی۔

بہت اچھا کیا جو آپ نے گیتی کو منع کر دیا اس کی تو شاہ خرچیاں ہی ختم ہونے کا نام نہیں

لیتیں۔ یہاں لوگوں کے لیئے ضروریات زندگی پوار کرنا کٹھن ہے اور اس کو دیکھیں۔

ثمینہ اور حسنہ گیتی سے ہمیشہ ہی نالاں دکھتی تھیں بلکہ وہ شاید یہاں کسی کی بھی فیورٹ نہیں تھی۔ زارا نے اسے کبھ کسی کے ساتھ کھل مل کر باتیں کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حد تو یہ کہ لنچ بریک میں بھی جب سب اپنا اپنا لایا کھانا ایک ساتھ ہی رکھ کر بیٹھی ہوتیں، تب بھی وہ اپن النچ باکس لے کر الگ ایک کونے میں اکیلے ہی بیٹھنا پسند کرتی تھی۔

سلیمہ آپا کی بہن کی شادی سر پر آ چکی ہے۔ حسنہ کو اپنی ساس کی آنکھوں کا آپریشن کرانا ہے اور کو دمیرے میاں کا رکشہ کتنے دن سے خراب ہوا کھڑا ہے۔ کس طرح سے یہ سب کام ہوں گے۔ بس خدا ہی جانتا ہے۔

ثمینہ کے پاس مسائل کی فہرست ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ گیتی کا خرچہ ہی کیا ہے۔ دو میاں بیوی۔ میاں کا اپنا جنرل اسٹور ہے۔ مان لیا کہ چھوٹا سا ہوگا مگر اچھا چل رہا ہے جب ہی تو دیر سے گھر لوٹتا ہے۔

گیتی کے خلاف دیئے گئے سارے دلائل میں دم تھا۔ زارا کے دل پر جو ہلکا سا ملال اسے کام نہ دینے کی وجہ سے آ رہا تھا وہ بھی ختم ہونے لگا، مگر پھر بھی ایک بات تو تھی۔

سارے پیسے دوسروں پر ہی خرچ کرتی ہے۔ اس کا اپنا تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں۔ یہ تھوڑی عجیب سی بات تھی:۔

زارا کو اس کے گنتی کے چار جوڑے یاد آئے جو وہ پہن کر آتی تھی۔ کثرت استعمال سے

ان کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا مگر لگتا تھا کہ اس کو پرواہ ہی نہیں ہے۔

کپڑے تو وہ جان بوجھ کر ایسے پہن کر آتی ہے ایک بار میں نے پوچھا تو کہنے لگی۔ کیا فائدی فیکٹری میں اپنے نئے کپڑوں کا خراب کرنے کا۔ میں تو یہاں کام کرتے ہوئیا پنے پرانے کپروں میں ہی آرام سے رہتی ہوں۔

حسنی نے یہ خلش بھی دور کر دی۔

زارا کا کام ختم ہو چکا تھا۔ آج اسے تھوڑی جلدی بھی تھی، دو دن پہلے تنخواہ مل چکی تھی اور ان پیسوں سے اسکا بہت کچھ کرنے کا ارادہ تھا۔

یہاں قریب ہی مارکیٹ تھی اور آج شفٹ ختم ہونے کے بعد وہ وہیں جانے کا ارداہ رکھتی تھی۔ سہولت اور اکیلے پن کی وجہ سے ثمینہ اور حسنہ بھی ساتھ جا رہی تھیں، دونوں ہی نے اسے سستی اور

اچھی شاپنگ کرانے کا لالچ دے رکھا تھا اور انہوں نے واقعی یہ کر بھی دکھایا۔

ارے اتنے سارے پیسے ایک ساتھ ہی کرچ کر ڈالے۔ کیا ساری تنخواہ ایک ہی دن ختم کر دی۔

صابرہ بھابھی مختلف شاپرز کو دیکھ کر دکھ اور حیرت کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ غضب خدا کا اتنے سارے پیسے اکٹھے خرچ کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں دکھا۔ رابعہ آپا تو ہمیں ہی الزام دیں گی کہ لڑکی کو کنٹرول کیوں نہیں کیا۔

انہیں اپنے ہاتھ سے پیسے خرچ کیئے اتنا عرصہ ہو چلا تھا کہ وہ اسکا مزہ بھی بھول چکی تھیں ۔زارا خوش تھی ،بے حد خوش ،اس خوشی کو وہ ان کے خفگی کے ہاتھوں کرکرا بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھی ۔

سستی مارکیٹ ارو کٹ پیس میں کی گئی شاپنگ میں ہرگز اتنا پیسہ صرف نہیں ہوا تھا جتنا کہ صابرہ بھابھی کا اندازہ تھا۔

میرا دل چاہ رہا تھا صابرہ بھابھی آپ یقین کریں ابا کے انتقال کے بعد مجھے کبھی ایسا موقع ہی نہیں ملا کہ اپنی مرضی سے کچھ خریدتی بس بھابھیوں نے جو کچھ لا دیا۔

وہ جب تھک کر خاموش ہوئیں تو زارا ہلکے سے بولی۔

صابری بھابھی ین ایک نظر اس کی رطف ڈالی۔اپنی بات کہہ چکنے کے بعد وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

خیراب دل برامت کرو،میرا یہ مطلب نہیں تھا۔لاؤ اب دکھاؤ کیا کیا خرید لائی ہو۔اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملائیمت سے بولیں۔

آج پہلی بار وہ اس کے اتنی قریب آئی تھیں ۔زارا اتنی کوش تھی کہ جب صابرہ بھابھی بہت انہماک سے سب چیزیں دیکھ رہی تھیں اس نے چپکے سے کئی بار آنکھوں میں آتے پانی کو خشک کیا۔

اماں ارو بھابھیوں کے علاوہ اس نے صابرہ بھابھی کا بھی سوٹ خریدا تھا۔خوش رنگ

ڈیزائینگ والی چادریں ، کچھ مصنوعی پھول اور بھی چھوٹی موٹی چیزیں۔صابرہ بھابھی اب خلاف عادت خود پر ضبط کیئے ہوئے تھیں۔

رابعہ آپا کے لیئے کچھ پیسے تو بچا لیتیں اس بار انہوں نے بہت سنبھل کر اس طرح کہا کہ اسے برا نہ لگے۔

زارا کو ان کی یہ تبدیلی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔کچھ پیسے اس نے بالکل الگ سنبھال کر رکھے تھے۔پرس کھولکر وہ نکال کر صابرہ بھابھی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی یہ آپ اپنے پاس کرھ لیں،اگلے مہینے کی تنخواہ ملنے کے بعد اماں کے پاس جاؤں گی تو آپ سے لے لوں گی

۔

اچھی بات ہے۔انہیں تھوڑی سی تسلی ہوئی کہ لڑکی نے کچھ تو بچایا ہے۔

اگلے دن چھٹی تھی ،صبح ہی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر زارا بے صفائی کی ۔حالنکہ صابرہ بھابھی کی مرغیاں اس کی محنت سے کی گئی صفائی پر ہمیشہ ہی پانی پھیرنے کے لیئے تیار رہتی تھیں ۔مگر وہ بنا ماتھے پر شکن ڈالے دل جمعی سے اپنا کام کیئے جاتی ۔

اس وقت فارغ ہو کر وہ صابرہ بھابھی کے کمرے میں آ گئی۔جسیم بھائی آج صبح ہی اپنے کسی دوست سے ملنا جا چکے تھے اور صابرہ بھابھی ناشتے پر ہی اعلان کر چکی تھی کہ وہ آج بریانی پکانے والی ہیں۔سو دوپہر کے کھانے پر آج ایک بڑا چیلنج متوقع تھا۔

زارا کو انہوں نے کچن میں آنے سے اف منع کر دیا تھا،آج اس نے خود بھی اصرار نہیں

کیا تھا۔صابرہ بھابھی کی سلائی مشین ہاتھ کی تھی اور پرانی بھی، مگر چلتی بالکل ٹھیک تھی،

زارا انہماک سے اپنا کام کیئے گئی۔صابرہ بھابھی کے تخت کا کور اور گاؤ تکیئے سینے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی مگر ابھی اگلے چند دنوں میں اسے بہت سے کام کرنے تھے۔

اسٹور میں اور بھی دریاں پڑی تھی،سب سے

صاف دری کو نیچے بچھا کر اس نے وہ کور بچھا کر اطراف میں کوش رنگ تکیئے رکھے تو جگمگاہٹ سی پھیل گئی،

جسیم بھائی آئے تو حیران رہ گئے،

مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ تم اتنے کام کی لڑکی ہو۔وہ بڑی دیر تک تعریف کیئے گئے۔زارا تھوڑی سی ڈر رہی تھی کہ شاید صابرہ بھابھی اس دخل اندازی پر ناراض ہوں مگر وہ تو اس طرح سر فخر سے اونچا کیئے بیٹھی تھیں جیسے یہ ساری تعریف انہی کی ہوئی ہو۔

زارا کا گھر کی حالت کو سدھارنے کا عزم اور بھی پکا ہونے لگا،

بریانی بیحد مزیدار اور ماحول بھی خوبصورت۔سب ہی نے بہت انجوائے کیا۔زارا جب کھانے کے بعد چائے بنا کر لائی تو صابرہ بھابھی اور جسیم بھائی ہلکے ہلکے کوئی بات کر رہے تھے ۔اسے دیکھتے ہی خاموش ہو گئے زارا کو تھوڑا عجیب سا تو لگا مگر نظر انداز کر گئی۔

پر تھوڑی ہی دیر میں اسے پتہ چل گیا کہ جو کچھ بھی ان لوگوں نے طے کیا ہے وہ خاصا تکلیف دہ ہے۔

شام تک جب وہ اسٹور میں رکھے پیتل کے بڑے سار گلدانوں کو لیموں اور کھانے کا سوڈا رگڑ رگڑ کر چمکانے کے بعد ان می اپنے لائے مصنوعی پھول لگا کر برآمدے کے دونوں کونوں پر رکھے تو یاہس مزید رونق کے اسباب پیدا کرنے میں مصروف تھی،وہ دونوں بڑی خوشی خوشی اسے سراہتے رہے۔صابرہ بھابھی عادت سے مجبور تھیں۔سو ساتھ بھی لگی رہیں۔تخت کے کنارے پر ٹکی وہ لائحہ عمل دے رہی تھی تب جسیم بھائی نے قریب آکر کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

زارا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔اسے بغیر گنے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وا چھی خاصی رقم ہے مگر کیوں؟

جو کچھ بھی تم کر رہی ہو وہ تمہاری بے اندازہ محبت ہے مگر بیٹا ان چیزوں کے پیسے تو تمہیں لینے ہی ہوں گے ورنہ میں اور تمہاری بھابھی دونوں ہی کو شرمندگی رہے گی۔

زارا کے ہاتھوں میں جنبش تک نہ ہوئی وہ یونہی ساکت نظروں سے جسیم بھائی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔

جسیم بھائی نے اس کے اور اماں کے لیئے اتنا کچھ کیا تھ اکہ شاید وہ ٹھیک طرح سے اندازہ بھی نہیں لگا سکتی تھی۔وہی تھے جو اس کی بے وقعت اور بے مصرف زندگی کو ایک نئی جہت دینے میں کامیاب ہوئے تھے۔سارے اندیشے،وسوسے دور کر کے امید کا ایک چھوٹا سا چراغ اس کی راہ میں انہوں نے ہی روشن کیا تھا۔

انہوں نے ہمیشہ ہی اسے دیا تھا پھر اس نے کیسے سوچ لیا کہ وہ اس سے کچھ لے بھی سکتے ہیں۔باوجود کوشش کے بھی وہ آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو نہیں روک سکی۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا بیٹا میں بڑا ہوں تم سے۔۔۔اب بھلا کیا اچھا لگتا ہے کہ میں تم سے یہ سب۔۔۔۔ان دونوں کو اسے الٹا منانا پڑا۔

اصل میں آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہی نہیں کہ میں زرا سا کچھ تھوڑا سا ہی کرسکوں۔

زارا کا رنج کم نہیں ہو رہا تھا وراس نے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی ۔جسیم بھائی کو نوٹ بھی واپس جیب می رکھنے پڑیا ورعدہ بھی کرنا پڑا کہ وہ آیندہ بالکل دخل نہیں دیں گے۔ چاہے وہ جو بھی کرے۔

لیکن تمہاتی تنخواہ اگلے مہینے سے میں کود اپنے پاس جمع کروں گی ، بھلا بچوں کے پاس اتنے پیسوں کا کیا کام ،بس سوپچیس لے لینا صابرہ بھابھی نے اپنا فیصلہ سنایا۔زارا مسکرانے لگی
۔

فی ال حال اثبات میں سرہلا کر بات ختم کی جاسکتی تھی سواس نے بھی یہی کیا۔

بیگ صاحب کی فیکٹری میں ایک بڑی سہولت کنوینس کی تھی جو بھی ورکرز اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی

فیکٹری کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت مل جاتی

زارا کے لیئے یہ بڑی غنیمت صورتحال تھی ۔ فیکٹری میں اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا

رہے تھے جو زیادہ دور سے آتے تھے،ورنہ ایک دو اسٹاپ دور والی عورتیں خود ہی آنے جانے کو ترجیح دیتی تھیں۔

پورے مہینے کا حساب لگاؤ تو پورے دوسو روپے بچ جاتے ہیں کرائے کے،بس سے اتر کر تھوڑا چلنا ہی تو پڑتا ہے۔

اس طرح کی باتیں اکثر ہی وہاں کام کرنے والی عورتوں کی زبانی اس کے کان میں پڑتی رہتی تھیں۔

دوسو روپے، ڈھائی سو روپے۔تین سو روپے یا اس سے کم۔ان لوگوں کے پاس اس طرح کی چھوٹی موٹی بچت کی بڑی اہمیت تھی۔سخت گرمی میں اسٹاپ تک چل کر آنا جانا اور دن بھر مشینوں پر سر جھکائے بیٹھے رہنا معمول کا کام تھا،

اپنی جانوں پر تکلیف جھیل کر بچائے جانے والے دو تین سو روپے سے بھلا گھر کے کتنے خرچ پورے کیئے جاسکتے ہوں گے۔

وہ بہت مایوسی سے اکثر سوچنے پر مجبور رہتی تھی، بھابھیوں کی ساتھ گزاری ہوئی اب تک کی زندگی جس میں چاہے اس کی دو کوڑی کی بھی اوقات نہیں تھی۔ان کی زندگی سے تو بہرحال سہل ہی تھی جو دنیا میں ہزاروں لاکھوں لوگ جینے ہر مجبور ہیں،

زندگی میں ابا کی کمی۔ بھائیوں کے بے حسی چاہے کتنی بھی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔اور روز مرہ زندگی میں کتنی ہی بار چاہے اس نے خود ترسی کی حد کو پار کیا ہو۔مگر یہاں زندگی کے جتنے دکھ

اس نے دیکھے تھے اس نے اپنے دکھوں کو ہلکا ہوتا محسوس کیا تھا،

ابھی توڑی دیر پہلے اس کے پاس شازیہ کی امی آئی تھیں۔

وہ یہاں کام کرنے والیوں میں سب سے زیادہ پرانی تھیں۔کسی زمانے میں سب سے زیادہ کاری گر تھیں مگر اب بڑھاپا اور ضعیفی انہیں اتنا کام کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔مگر مسائل کے ساتھ ان کی جنگ اب بھی جاری تھی۔

بیگ صاحب نے انہیں نسبتاً آسان کاموں پر لگا دیا تھا۔ان کا نام یہاں ہر کسی کو بھی یاد نہیں تھا وہ شازیہ سے پہلے صائمہ۔اس سے پہلے آسیہ اور سب سے پہلے نازیہ کی امی کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔

ایک کے بعد ایک بیٹی ان کے ساتھ یہاں کام کرتی آ رہی تھی، تین کی شادی کا فرض انجام دے لینے کے بعد اب ان کے ساتھ یہاں شازیہ آتی تھی جس کی شادی کے لیئے وہ دن رات جمع توڑ میں مصروف تھیں۔

یہ فرض بھی ادا ہو جائے تو بس اپنے مولا کا گھر دیکھنے کی تیاری کروں، دن رات دعا کرتی ہوں، اللہ اتنی ہمت اور طاقت دے دے کہ اب حج کے لیئے روپے جمع کر سکوں۔

ابھی جب وہ یہاں اس کے پاس بیٹھی تھیں تو زارا سے یہ بات کہتے ہوئے ان کے چہرے پر کیسی آس بھری چمک تھی۔زارا نے ان کے کمزور سے سراپے کو دیکھا۔

بمشکل ہی وہ اپنے آنسو روک پائی۔اس کا دل چاہا کہ وہ انہیں بتائے کہ وہ تو حج اکبر کر

چکی ہیں۔مگر وہ جلدی میں تھیں انہیں ہر وقت ہی کام کی فکر رہتی تھی سو جا چکی تھیں۔

یا اللہ یہ تیری دنیا، اور تیرے بندے۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے دوبارہ خود کو کام کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔تب ہی بیگ صاحب کا بلاوا آ گیا،

وہ پہنچی تو فائلیں کھولے بیٹھے تھے۔اسے بیٹھنے کا کہہ کر ایک الگ رکھی فائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

اس میں ان لوگوں کی درخواستیں ہیں جنہوں نے زکوۃ فنڈ میں سے امداد کی درخواست دی ہے۔

یہ ایک بڑا ہی بھلا کام تھا جو وہ ایک طویل رعصے سے کر رہے تھے۔

اپنے اور اپنے قریبی حلقے کے وسائل کے بل پر وہ امداد کا یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔نہ کوئی شور، نہ نمود و نمائش۔

درخواست دینے والے لوگوں کے نام بھی سخت راز داری کے ساتھ جمع ہوتے اور ان کے نام کا بینک ڈرافٹ بھی ان کے دیئے ہوئے پتے پر پہنچا دیا جاتا۔زارا ان سے بیحد متاثر ہوتی جا رہی تھی، واقعی بڑی نیک انسان تھے۔

مگر حیرت کس بات کی جسیم بھائی کے دوست ایسے ہی ہونے چاہیئے تھے۔خود کو سمجھاتے ہوئے اس نے درخواستوں پر نگاہ ڈالنا شروع کی۔

کچھ نام ایسے تھے جن کو وہ بہت اچھی طرح سے پہچانتی تھی اور کچھ کو صرف سرسری طور پر، سرفہرست شازیہ کی امی کی درخواست تھی۔ اس نے بیساختہ ہی ان کے فیور میں کچھ کہنا چاہا مگر بیگ صاحب اپنی بات شروع کر چکے تھے۔

شازیہ کی امی کو تو لازمی ہی سمجھئے ان کا تو حق سب سے بڑھ کر ہے۔

جی بہت اچھا۔ وہ فوراً ہی مستند ہو گئی۔ ثمینہ اور حسنہ کی بھی درخواستیں تھیں۔ وہ دونوں بھی بہت سی پریشانیوں میں گھری ہوئی تھیں۔

زارا نے انہیں بھی فیور کرنے کا فیصلہ کیا مگر تب ہی اوپر نیچے کیئے فائیل میں اس کی نظر گیتی کے نام پڑی۔ یہ واحد نام تھا جسے وہاں دیکھنے کی اسے بالکل توقع نہیں تھی۔۔

آج تک کوئی بڑی کیا چھوٹی سی بھی پریشانی اس نے اس کے منہ سے نا سنی تھی پچھلے ساتھ آٹھ سالوں سے جب سے وہ یہاں کام کر رہی تھی۔ یہ بات اسے ثمینہ اور حسنہ نے بتائی تھی۔ خود زارا نے کئی بار محسوس کیا کام کرنے والیاں گیتی سے ایک بڑے حسد نما رشک میں مبتلا تھیں۔

پھر بھی اس کی درخواست یہاں موجود تھی۔ زارا نے بڑی بیتابی سے اس کی دروخاست پر نظر ڈالی۔

سادہ سے الفاظ میں مدد کی درخواست تھی۔ کسی بڑے مسلے کا زکر نہیں کیا گیا تھا۔ بیگ صاحب نے اس کے چہرے پر آئے تزبزب کے تاثرات کو سمجھ لیا تھا۔ وہ خود بھی حیران تھے۔

گیتی کی درخاست پہلی بار آئی ہے۔ اسے تو ابھی یہاں آئے دو سال ہی گزر رہے ہیں مگر ایک دفع اس نے مجھے اپنے شوہر کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ ٹھیک ٹھاک کما رہا ہے۔ فیملی بھی بس دو ہی افراد پر مشتمل ہے مگر وقت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ہوسکتا ہے بیچاری کے ساتھ کوئی مجبوری پیش آ ہی گئی ہو۔

جی۔

جلدی نہیں ہے۔ ابھی دو تین ماہ کا وقت ہے۔ آپ زرا اپنی طرف سے چھان بین کر لیجیئے گا۔ بیگ صاحب کے پاس ہر ایک کے لیئے گنجائش تھی۔

مگر زارا کا نہیں خیال تھا کہ گیتی کے ساتھ کوئی بڑا مسئلہ ہوسکتا ہے یا کم از کم اتنا بڑا تو نہیں جتنا بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ تھا۔ا

اگلے کئی دن یونہی گزر گئے۔

پھر ایک شام وہ اسے فیکٹری کے گیٹ پر مل گئی۔ شفٹ ختم کر کے اچھی خاصی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ زارا بھی اپنا کام ختم کر کے گیٹ کے سامنے کھڑی گاڑی کی رطف بڑھ رہی تھی تب ہی اس نے گیٹ سے نکلتی گیتی کو دیکھ لیا۔

گیتی کیسی ہو؟ زارا نے اپنائیت سے اسکا حال چال پوچھ لینا ضروری سمجھا۔ دل میں ہلکا سا احساس اس دن والے رویے پر اب تک تھا۔ جب وہ اس کے پاس اوور ٹائم کی درخواست لے کر آئی تھی۔

میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں؟

بہت دنوں سے تم سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی وہ تمہارے بوریت والے مسئلے کا کیا ہوا؟

زارا نے مسکراتے ہوئے اس کی رطف دیکھا مگر وہ شاید اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

وہ بھی حل ہو ہی گیا ہے تقریبا۔

بہت اچھی بات ہے۔کیا کررہی ہو۔؟ وہ جاننا چاہ رہی تھی کہ اس نے کیا حل ڈھونڈا ہے۔پڑوسیوں سے تعلقات بڑھا لیئے یا ٹی وی پر اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنے کا شوق پال لیا۔

مگر گاڑی والا مستقل ہی ہارن بجائے جا رہا تھا۔زارا کو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس طرف جانا پڑا۔

گاڑی میں اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ گیتی تیز تیز قدموں سے فیکٹری کے پچھلی جانب جانے والی سڑک پر مڑ رہی تھی۔اس کا گھر شاید یہیں تھا۔برابر بیٹھ حسنہ سے اس نے پوچھا تو اس خیال کی تصدیق ہوگئی۔

یہیں دو سڑک چھور کر ایک فلیٹ میں رہتی ہے۔میں نے ایک بار پوچھا تو اس نے بتایا تھا۔گھر تو اس کا یہاں کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوا وہ ملنا ہی پسند نہیں کرتی کسی سے۔

زارا نے تبصرہ کرنا ضروری نہیں سمجھا یہی بہت تھا کہ گیتی نے کچھ نہ کچھ تو متبادل ڈھونڈا مگر ایک بات ابھی بھی تھوڑی توجہ طلب تھی،وہ تھی اس کی مدد کے لیئے آئی درخواست۔کچھ عورتوں

کو زیادہ پیسے خرچ کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور پھر تو اس کو کنٹرول کرنا بھی آسان نہیں ہوتا۔

بڑا معقول سا جواز زارا کے ذہن نے تراشا اور گیتی کے بارے میں یہاں کون نہیں جانتا تھا کہ وہ فضول خرچی میں کتنی ماہر ہے۔

گھر میں قدم رکھتے ہی ساری سوچیں باہر ہی رہ گئی۔

آج خلاف معمول سناٹا تھا۔

نہ صحن میں مرغیوں کی چہل پہل اور نہ کچن میں برتنوں کی کھڑ کھڑاہٹ۔اکیلے جسیم بھائی کرسی پر صبح کا اخبار کھولے بیٹھے تھے۔

آج کچھ طبیعت ناساز ہے۔بڑی دیر سے چپ چاپ لیٹی ہیں۔انہوں نے صابرہ بھابھی کے بارے میں بتایا تو وہ بے ساختہ ہی ان کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

اونہہ جسیم بھائی نے اشارے سے روکا ابھی انہیں کچھ دیر اکیلا ہی رہنے دو۔

مگر کیوں َ پتہ نہیں کوئی دوا بھی لی یا نہیں صبح سے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔اسے جسنیم بھائی کی بے حسی اچھی نہیں لگی۔

ان کی دوا کسی کے پاس نہیں ہے زارا بظاہر کوئی تکلیف ہو تو انسان دوا بھی کرے۔صابرہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہیں پچھلے تین سالوں سے۔وہ خود بھی رنجیدہ وہ رہے تھے۔

زارا چپ کی چپ انہیں دیکھے گئی۔اور آج تو سلمان کی سالگرہ ہے،وہ جتنی بھی ڈسٹرب

ہوں کم ہے۔

باوجود کوشش کے ان کی آواز میں اداسی اتر آئی۔زارا کچھ دیر وہیں کھڑی رہی جیسے کچھ فیصلہ نہ کر پا رہی ہو پھر کچھ سوچ کر مڑ کر صابرہ بھابھی کے کمرے میں چلی گئی۔اس بار جسیم بھائی نے اسے روکا بھی نہیں۔

بھابھی۔وہ آہستہ سے ان کے قریب جا بیٹھی۔کمرے میں شام کی ہلکی سی روشنی تھی۔زارا نے جان بوجھ کر ٹیوب لائٹ روشن نہیں کی تھی۔اچھا یہی تھا کہ انہیں اپنے آنسو خشک کرنے کا موقع مل جائے اور انہوں نے یہی کیا۔

ایک آدھ بار ٹال مٹول کر کے انہیں سونے کی ایکٹنگ ختم کرنا ہی پڑی۔بس ایسے ہی لیٹ گئی تھی ذرا سر میں درد ہو رہا تھا۔

لیٹی رہیں۔زارا نے انہیں اٹھتے دیکھ کر دوبارہ لٹا دیا۔میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔آپ کچھ کھا کر ٹیبلٹ لے لیجیے گا۔

وہ روکتی رہ گئیں مگر وہ کہہ کر باہر نکل آئی۔انہیں اتنا وقت دینا ضروری تھا کہ وہ اپنی حالت ٹھیک کر لیتیں۔

پتیلی میں آلو بینگن پکے ہوئے رکھے تھے صابرہ بھابھی کو چائے کے ساتھ دینے کے لیے انتہائی غیر موزوں۔

زارا نے فریج کھولا کل کے بچے ہوئے دو تین کباب رکھے تھے اور گھر کی مرغیوں کی

بدولت انڈے بھی۔جتنی دیر میں جسیم بھائی گھر کے کونے والی دکان سے ڈبل روٹی لائے، وہ تھوڑی سی سوجی بھون کے انڈوں کا حلوہ بنا چکی تھی،

کباب کے سینڈوچز۔انڈے کا حلوہ۔چائے کا بھاپ اڑاتا مگ،

ارے یہ تو تم نے بہت فضول خرچی کر ڈالی سابرہ بہت ناراض ہوں گی تم پر۔جسیم بھائی کی نگاہ ٹرے پر پڑی تو گھبرا گئے،

کوئی بات نہیں، سن لوں گی ڈانٹ۔سر کو ہلکے سے جنبش دے کر وہ لاپروائی سے بولی۔

جسیم بھائی اپنی پلیٹ تیار کر کے مسکراتے ہوئے واپس کرسی پر جا بیٹھے۔زارا اندر آئی تو صابرہ بھابھی لائیٹ جلا کر اپنی آنکھیں خشک کر چکی تھیں۔جو تھوڑی بہت سرخی رہتی تھی اس کی وجہ زارا نے پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔

بہت مزے کی بنائی ہیں تم نے دونوں چیزیں ابھی تو تھکی ہاری آئی ہو میری وجہ سے آتے ہی لگ گئیں۔

جسیم بھائی کی پیشن گوئی کے خلاف انہوں نے کہا بھی تو صرف یہ۔زارا مسکرائے گئی۔

تھوڑی دیر میں وہ انہیں سر درد کی گولی کھلا کر باہر آئی تو جسیم بھائی کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔اسے دیکھا تو اشارے سے پاس آنے کو کہا۔

سلمان کا فون ہے لو بات کر لو۔انہوں نے اسے فون تھمایا۔

السلام علیکم زارا باجی کیسی ہیں آپ؟ وہ بڑے تپاک سے پوچھ رہا تھا خود زارا کو بھی بہت دنوں

بعد اس کی آواز سن کر اچھا لگا۔

مجھے جب سے پتہ چلا تھا آپ یہاں آ گئی ہیں امی کی طرف سے بڑی بے فکری سی ہو گئی تھی۔ مجھے پتہ ہے آپ انکا بہت اچھا خیال رکھ رہی ہوں گی حالانکہ خود آپ کو ان کے ساتھ رہنے میں کچھ دقت کا سامنا ہوگا۔ اپنی بات کہہ کر وہ زور سے ہنسا۔

زارا بھی ہنس پڑی مگر اس کے اس خیال کی پرزور تردید کر دی،

تمہیں پتہ ہے وہ تمہیں کتنا یاد کرتی ہیں۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی سلمان ذرا سی بات پر تم نے انہیں اتنی بڑی سزا دے والی اگلے ہی منٹ میں وہ سنجیدگی سے اسے کہہ رہی تھی۔

امی نے بھی تو ضد پکڑ لی زارا باجی میری خوشی کی انہیں ذرا بھی پرواہ نہیں۔ سبین بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس بے چاری کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا مگر امی نے اتنا شور مچایا کہ۔۔۔

اس کے یک طرفہ عشق کی داستان میں صابرہ بھابھی کا رول روایتی ظالم سماج کا تھا۔ زارا نے صبر سے سب کچھ سنا اور جب وہ خاموش ہوا تو اطمینان سے بولی۔

اب میری بات غور سے سنو۔ پندرہ منٹ بعد تم صابرہ بھابھی کو جسیم بھائی کے موبائل پر فون کرو۔ ان سے معافی مانگو اور دو ماہ بعد جو تمہاری چھٹیاں آ رہی ہیں ان میں سیدھے گھر آؤ۔ تمہارا مسئلہ حل ہو جائیگا۔ خدا حافظ۔

سلمان کی بات سنے بغیر اس نے فون بند کر دیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو جسیم بھائی کھڑے تھے ان کے چہرے پر تشکر آمیز مسکراہٹ تھی، ٹھیک پندرہ منٹ بعد جسیم بھائی کا موبائل بج رہا

تھا۔

کسی آرگنائزیشن کی طرف سے فن فیئر کا اہتمام تھا۔

زارا جن دنوں اماں کے پاس جانے کے لیئے تیاریوں میں مصروف تھی یہ دعوت نامہ عین ان ہی دنوں میں بیگ صاحب کو موصول ہوا تھا، ابھی تقریبا ایک مہینے کا ٹائم تھا۔ بیگ صاحب کی گارمنٹ فیکٹری پچھلے کئی سالوں سے یہاں اپنا سٹال لگاتی آ رہی تھی۔

فیکٹری کے تیار کردہ بچوں کے گارمنٹس کی تیاری پر ورکرز کو اضافی روپے بھی دیئے جاتے تھے اور لڑکیاں اپنے طور پر تیار کردہ دوسرا چھوٹا موٹا سامان بھی رکھ لیتی تھیں۔ اس بار بھی دعوت نامہ ملتے ہی جوش وخروش پھیل چکا تھا۔ کام پہلے ہی بڑھا ہوا تھا، چند بڑے آرڈر وقت پر مکمل کرنے تھے، پانچ بجے شفٹ ختم ہونے کے بعد بھی اوور ٹائم کرنے والوں سے فیکٹری بھری رہتی۔

پچھلے سالوں کی نسبت اب زیادہ رش رہنے لگا تھا سو کام کرنے والی لڑکیاں اب ایک نئے مسئلے سے دوچار تھیں۔

وہ لوگ ہر بار ٹشو پیپر، ڈسٹ بن، نیپکنز، ایپرنز، ٹیبل میٹس غرض کچن سے متعلق ایک بھرپور رینج متعارف کرواتی تھیں۔ پہلے بڑے ہال سے متصل کمرے میں یہ ساری تیاری مکمل ہو جایا کرتی تھی مگر اب وہاں بھی گارمنٹس کی تیاری کا کام جاری تھا۔

یہ سارا ایکسٹرا کام کرنے کے لیئے کوئی جگہ خالی نہیں تھی۔ حصہ لینے والی لڑکیاں پریشان ہو

رہی تھیں، ایک اچھا خاصا منافع اس مد میں ملنے کی توقع ان سب کو ہی اس سلسلے میں رہتی تھی۔

ہم سب مل کر روزانہ بیس گھنٹے بھی کام کر لیتی ہیں تو پندرہ بیس دنوں میں ہی کافی کام کر لیتی ہیں۔

زارا معمول کے رائنڈ پر تھی جب وہ سب یہ مسلی ڈسکس کر رہی تھیں،۔

ایسا کیوں نہی کرتے کہ سب لوگ الگ الگ اپنے پانے گھر سے کام کر لائیں اس کی ناقص عقل میں یہی حل آ رہا تھا مگر اس میں کئی قباحتیں تھیں۔

ایک چیز پر کم از کم تین لوگ لگتے تھے۔ پیٹرن کٹنگ کسی کو کرنا ہوتی اور سلائی کسی کو ھر اوپر کی ڈیکوریشن کسی تیسرے آدمی کے زمے ہوتی۔ حسنہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ ان کے کام اپنا طریقہ کار تھا اور وہ لوگ اسی کی عادی بھی تھیں۔

چلیں زیادہ کام ہم گھر سے کر بھی لائیں پھر بھی کوئی جگہ تو ایسی ہو جہاں سب لوگ روزنا نہ سہی ایک دن چھوڑ کر ایک دن اپنا کام بانٹ لیں۔ ثمینہ نے بیچ کی راہ نکالنا چاہی بات معقول تھی۔

:جس کا گھر یہاں سب سے قریب ہو تو اگر تم سب اس کے گھر اکٹھے ہو جاؤ تو کیسا رہے گا؟

اس کام میں حصہ لینے والی لڑکیاں پندرہ کے اریب ہی تھیں اور اتنی لڑکیاں ب آسانی کچھ دیر کے لیئے کہیں ایڈجسٹ کی جا سکتی تھیں۔

مگر وہ سب ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں اتنا قریب کسی کا گھر نہیں تھا۔

حسنہ اور ثمینہ پڑوسنیں تھیں اور وہ دونوں ہی سب سے قریب تھیں۔ دو اسٹاپ کے فاصلے پر مگر دوسری لڑکیوں کو بہت الٹا پر رہا تھا زارا کی سمجھ می کوئی دوسرا طریقہ آ کر نہیں دے رہا تھا تب ہی حسنہ ہلکے سے بولی۔

آپ گیتی سے بات کر دیکھیں اس کا گھر تو پیدل کے راستے میں ہے اور پھر گھر میں کوئی ہے بھی نہیں۔

ارے واقعی۔ زارا کو سار مسلہ ہی حل ہوتا نظر آنے لگا، گیتی کا گھر سب سے زیادہ سوٹ ایبل تھا مگر سب ہی لڑکیاں اس سے بات کرتے کتراتی تھیں۔

زارا نے اس کی رطف دیکھا جہاں وہ بیٹھی تھی سار معاملے سے الغرض وہ مشین پر جھکی تھی
۔

اس نے اس سارے بحث اور مجیثے پر زرا بھی توجہ نہ دی تھی۔ اس کا اندازہ زارا کو اس سے بات کرتے ہوئے فوراً ہی ہونے لگا۔ جتنی دی ریمں زار نے اپنے بات ختم کی وہ منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر جب وہ خاموش ہوئی تو وہ لمحے بھر کا بھی توقف کیئے بغیر کھائی سے بولی۔

نہی میں اپنے گھر میں یہ سب نہیں کرواس کتی میرے پاس اتنی فالتو جگہ ہے ہی نہیں
مگر تم تو اکیلی رہتی ہو تم نے خود کہا تھا کہ تمہارے پاس۔۔۔

اس کے بے مروتی کو نظر انداز کر کے بھی زارا نے بات کو سنبھالنا چاہا۔مگر وہ زرا بھی تعاون کے لیئے تیار نہیں تھی۔

لیکن میں یہ سب اپنے گھر میں نہیں کرواسکتی میرے شوہر کو یہ بات بالکل پسند نہی ہے۔

وہ جس سخت لہجے میں بات کر رہی تھی اس سے زارا سے زیادہ شاید لڑکیوں کو اپنی بیعزتی محسوس ہو رہی تھی تب ہی ان سب کے اشارے پر ثمینہ نے زارا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بات ختم کر دی۔

ہم لوگ کرلیں گے کچھ نہ کچھ آپ رہنے دیں بس۔زارا کو خاموش ہونا پڑا اور پھر کچھ نہ کچھ ہو ہی گیا،

بیگ صاحب نے اسٹور سے کافی سامان اوپر دو چھتی میں رکھوا کر وقتی طور پر اتنی جگہ مہیا کر دی تھی جہاں دقت سے ہی سہی وہ لوگ اہنا کام کر سکتی تھیں۔

اب سب لڑکیاں مطمئین تھیں مگر زارا کے دل میں گیتی کی طرف سے جو سلہ آیا تھا وہ اپنی جگہ موجود تھا،

اس کے لہجے کی سختی،دوسروں کے زرا بھی کام نہ آنے کی ادا۔

شاید اپنے نسبتا اچھے حالات کی وجہ سے اسے دوسروں کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے بھی۔

ہفتے بھر کی چھٹی پر گھر روانہ ہونے تک اسے گیتی کی باتوں کا رنج ستاتا رہا۔

گھر کے سامنے لگے پول پر اسٹریٹ لائیٹ روشن تھی جس وقت اس نے گلی میں رکشہ مڑوایا گھر کے چھوٹے سے سفید گیٹ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

وہ جو سوچ کر گئی تھی کہ ہو ماہ امی سے لنے آیا کرے گی اب تین ماہ سے بھی کچھ اوپر ہو کر آ پائی تھی۔

جسیم بھائی ابھی رکشے والے کو پیسے دے ہی رہے تھے کہ وہ بے تابانہ ادھ کھلے دروازے کو دھکیلتی اندر داخل ہوگئی۔

سامنے بیلے کی کیاری کے قریب اماں پلنگ پر بیٹھی تھیں،۔اوران کے پاس ہی چھوٹے بھائی کی دونوں بیٹیاں بیٹھی کھیل رہی تھہیں۔

آنسوؤں کی جھلملاہٹ میں زارا سے اور کچھ نہ دیکھا گیا۔کتنی ہی دیر وہ ان کے کندھے سے لگی آنسو بہائے گئی،

جسیم بھائی اندر آ کر سب سے دعا سلام کر کے فارغ بھی ہو گئے تب ہی اماں کے پلنگ کے قریب بڑھتے ہوئے رش سے اسے بھی احساس ہوا اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے الگ ہوئی،

بڑے چھوٹے دونوں بھائی بھابیاں، بچے سب ہی اس وقت گھر پر موجود تھے۔

اتنے دن لگا دیئے۔میں تو اماں سے روز ہی کہتا تھا کہ جا کر زارا کو لے آتا ہوں،مگر اماں مان نہیں رہی تھیں۔بڑے بھائی نے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار ضروری سمجھا۔

اور کیا، گھر میں جیسے رونق ہی نہیں رہی تھی جسیم بھائی۔ چھوٹے بھائی بھی پیچھے نہیں رہے تھے۔اس کے حلق میں کرواہٹ سی بھرنے لگی۔

یہ سب یقیناً جسیم بھائی کو متاثر کرنے کے لیئے

تھا۔اسے تو ایسا ہی لگا۔

دونوں بھابھیوں کا انداز سرسری سا ہی تھا۔

رسمی طور پر خیریت پوچھ کر دونوں کمروں میں یا کچن میں غائب ہوگئی تھیں۔

زارا کو نہ حیرت ہوئی نہ افسوس، سالوں سے وہ لوگ محض اس سے کام کی بات ہی کیا کرتی تھیں۔اور جب زیادہ خفا ہوتیں تو کئی دن تک بول چال بند رکھتیں۔

نظر انداز ہونا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے یہ اس نے دونوں بھابھیوں کے رویے سے ہی جانا تھا۔

جسیم بھائی کو لے کر دونوں بھائی اندر جا بیٹھے تھیاور اب یہاں صحن میں وہ اور اماں تھے یا دونوں بھائیوں کے بچے جن کی بے لوث محبت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔۔۔اپنے طور پر وہ چاروں ہی اسے یقین دلا رہے تھے کہ انہوں نے اسے کتنا مس کیا۔

زارا کو خود ان سے بہت پیار تاھ، بہت سی چیزیں وہ ان کے لیئے لائی تھی مگر فی الحال سامان کھولنے سے زیادہ اس کی دلچسپی اماں کے پاس بیٹھنے میں تھی۔

کسی پسندیدہ کارٹوں پروگرام کے شروع ہوجانے پر وہ چاروں ہی اٹھ کر ٹی وی کے

سامنے جا بیٹھے۔

آپ ٹھیک تو ہیں؟ میرے بعد تکلیف تو بہت رہی ہوگی؟

کتنی ہی بار اس نے ان سے اس طرح کی بات پوچھی اور ہر بار ہی خود بے انتہا شرمندگی محسوس کی۔

اتنا ہی خیال تھا تو وہ کیوں یہاں کی مشکلات سے گھبرا کر جسیم بھائی کے ساتھ چل دی تھی، حالانکہ اماں اسے بار بار یقین دلا رہی تھیں کہ وہ یہاں بالکل ٹھیک ٹھاک رہی ہیں۔ بلکہ اسے ہر وقت بھابھیوں کے حکم پر مشین کی طرح لگے رہنے اور ذرا ذرا سی چیز کے لیئے ترستے دیکھنے کی ٹینشن سے بھی بچی رہی ہیں،

کسی وقت میں کوئی سی بھابھی آکر چائے کا کپ پکڑا گئی تھی۔تب ہی کسی نے آکر صحن کی دوسری ٹیوب لائیٹ جلا دی۔

زارا نے دیکھا اماں کے کپڑے، پلنگ کی چادر، تکیئے کا غلاف سب بے حد صاف ستھرے تھے۔

شاید بھابھیوں کو کچھ خیال آنے ہی لگا ہوا اماں کا

اس نے ایک خوش فہمی کا سرا پکڑنا چاہا اور کیا پتہ ایک وہی ان لوگوں کو اپنے اوپر ایک بے کار کا بوجھ تصور ہوتی ہو۔اور اس کے چلے جانے سے گھر کا ماحول بڑی حد تک بدل گیا ہو۔

تصویر کا دوسرا رخ تکلیف دہ تھا اگر ایسا ہی تھا تو پھر اس کا یہاں آکر رہنا اماں کے حق

میں تو براہی تھا۔ بہت جزباتی سا ہو کر اس نے اپنی اوقات متعین کرنا چاہی۔مگر یہاں ہمیشہ کی طرح دخل در معقولات کا سلسلہ جاری تھا،

تو بدھو خیر سے گھر کو لوٹ ہی آئے، آج کی تازہ خبر۔دل جلانے والوں کی کمی نہیں تھی یہ عدی بھی سرفہرست تھا۔

بہرحال اسے کسی سے بھی دبنے کی ضرورت نہ تھی نہ ہی بھابھیوں سے اور نہ ان کے رشتے داروں سے۔

اس نے یہی دھیان میں رکھ کر عدی کو بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ گھورا تھا۔وہ ایک شاپر ہاتھ میں تھامے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔اتنی مہینے میں بدل تھوڑی جاؤں گا، ویسا کا ویسا ہی ہوں، خوش شکل ،خوش اخلاق۔

میں ایسی ناممکن باتوں کے بارے میں سوچتی بھی نہیں ہوں۔بدلنے والے لوگ دوسرے ہی ہوتے ہیں۔ہاتھ میں تھامے کپ سے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے زارا نے پوری کوشش کی کہ اس کے لہجے سے ہلکی سی بھی چڑچڑاہٹ نہ جھلکے۔

چلو پھر تو تم پر میری استقامت کم از کم ثابت ہے، یہی بہت ہے وہ مسکراتا ہوا اماں کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

عدی کی ڈھٹائی اور جملوں کی معنی خیزی بدستور رہی تھی۔

یہ ابھی بھی کیا ہر وقت یہیں گھسا رہتا ہے؟ بہت جھنجھلا کر اس نے اماں سے پوچھا تھا۔

ایسے نہیں کہتے ،اس کا بھی ہمارے علاوہ اور ہے کون؟ اماں اپنائیت سے سمجھانا چاہ رہی تھیں مگر وہ مدت ہوئی اس طرح کی اپنائیت پر اپنا بھروسہ کھو بیٹھی تھی۔

اس کی بڑی بہن ہیں ہماری بھابھ۔ پھر بھیا ہیں جو ہمارے بجائے اس کے سرپرست ہیں۔ایک وقت وہ نہ آئے تو خود خوان سجا کر پہنچ جاتے ہیں برابر والی گیٹ پر دستک دینے۔

زارا کو بہت کچھ یاد آنے لگا تھا اور جو سارا کا سارا ہی ایسا تھا کہ اس کے بعد غصے کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خدا کا خوف کرزارا اب وہ بالکل اکیلا رہ رہا ہے تو کی اس کی دیکھ بھال ہماری زمہ داری نہیں۔اور وہ صرف بھابھی کا بھائی نہیں ہے، میں نے بھی اسے اپنا بیٹا بنایا ہوا ہے۔

وہ بہت دن بعد آئی تھی اماں اس پر غصہ نہیں کرنا چاہ رہی تھیں مگر آخر اسے سمجھانا بھی تو تھا ،بہت تلخ سی مسکراہٹ زارا کے لبوں پر ابھر آئی۔

آپ کے اپنے بیٹے تو آپ کے ہوئے نہیں اسے تو ضرور ہی فیض حاصل ہوگا۔

وہ زرا بھی نہیں بدلی تھی ویسے ہی زرا زرا سی بات کو لے کر دنوں دل جلانے والی۔بے حد حساس اور خود دار

اماں نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا جسیم نے تو کہا تھا کہ جگہ کی تبدیلی سے وہ بڑی پر اعتماد اور خوش اخلاق ہو جائے گی۔

پر اعتمادی اک تو انہیں اندازہ نہیں تھا مگر اخلاق میں سدھار کے تو انہیں کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

معلوم نہیں ضرورت کیا تھی بڑے بھیا کو اپنے سالے کو ہمارے برابر میں گھر دلانے کی۔ ایسا کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں تھا کہ اکیلا نہ رہ سکتا وہ مسلسل بڑبڑائے گئی۔

ابھی سال بھر پہلے ہی عدی ان کے پڑوس میں شفٹ ہوا تھا، اور یہ قطعی بڑی بھابھی کا فیصلہ تھا انہیں اپنے بھائی کے اکیلے پن کی فکر رہتی تھی۔ اور کب کا وہ اس مسئلے کو بھی نمٹا چکی ہوتیں اگر عدی ایک ہی نقطے پر نہ لگا رہتا۔

وہ اس کی ضد کے آگے ہتھیار پھینکے ہوئے تھیں اور شکست تسلیم کر لینے کے بعد بھی زارا کی اکڑفوں انہیں سخت تاؤ دلائے رکھتی تھی۔

لاکھوں میں ایک ہے میرا بھائی، چراغ لے کر بھی نکلو تو ایسا کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔ تمام بہنوں کی رطح انہی بھی یہی خوش فہمی رہی تھی، زارا کے ساتھ گزارے پندرہ سال میں اپنے رویے کی بدصورتی انہیں کبھی یاد نہیں آتی تھی۔

شاید جسیم بھائی کی وجہ سے بھابھیوں نے کھانے پر اہتمام کیا تھا۔ زارا کو تو یہی خیال تھا مگر رات میں اماں نے بتایا تھا کہ نہاری اور سیخ کباب عدی جا کر لایا تھا،

وہ اپنا اور اماں کے مشترکہ کمرے میں اپنا لایا بیگ کھول رہی تھی اماں کی بات سن کر خفگی سے بولی۔

کیوں اسے کیا ضرورت تھی، بے کار کے احسان مت لیا کریں، کل آپ اسے پیسے دے دیجیئے گا ان چیزوں کے۔

اس بار اماں سے رہا نہ گیا، مانا اب وہ پیسے کما رہی تھی مگر کسی کے خلوص کو ٹھکرانے کا یہ کونسا طریقہ ہے۔

وہ اس گھر کا فرد ہے اکثر ہی کچھ نہ کچھ لاتا رہتا ہے اور میرا تو جتنا خیال وہ رکھتا ہے اپنے بیٹے بھی نہیں رکھتے، کسی بھی دوا کا اس نے ایک دن بھی ناغہ نہیں ہونے دیا۔

زارا کو عدی کے ہاتھ میں پکڑا شاپر یاد آیا جو وہ لے کر اماں کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ اس وقت وہی شاپر اماں کے سرہانے رکھی میز پر موجود تھا، اس میں کیا تھا؟ یہ بغیر دیکھے بھی بتایا جا سکتا تھا۔

آپ تو کہتی تھیں کہ بڑے بھیا آپ کا بہت خیال رکھ رہے ہیں؟ زارا کو بڑی شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

وہ تو میں تمہارے خیال سے کہہ دیتی تھی ورنہ جب اتنے سالوں میں کچھ نہ بدلا تو اب کیا بدلنا تھا، اور جو تھوڑا بہت فرق آیا بھی ہے تو عدی کے کہنے سننے پر۔

زارا بے زاری سے سر جھٹک کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

اور کے اللہ واسطے اب اسے حساب کر کے پیسے دینے نہ کھڑی ہو جانا برا لگے گا اسے؟

وہ بڑی بھابھی کا بھائی ہے اماں ان سے کتنا مختلف ہوسکتا ہے۔ بس انیس بیس نا، ابھی

تک تو ہم بڑی بھابھی کے احسان تلے ہی پسے ہیں اب ان کے بھائی صاحب بھی شامل ہو گئے ہیں۔

اس کے لہجے میں اتنی تلخی تھی کہ اماں کو فی الحال بات بڑھانا اچھا مناسب نہیں لگا۔

زارا اچھی کاصی شاپنگ کر کے لائی تھی اماں کے لیئے، بچوں کے لیئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی بھابھیوں کے لیئے۔

وہی بھابھیاں جو اس کے لیئے چار جوڑے سستے خریدنے کے لیئے پوری مارکیٹ کا چکر لگاتی تھیں۔اس کی طرف سے بہترین سوٹ پا کر پہلی بار کچھ جھینپی ہوئی تھیں۔

وہاں تو کپڑا سستا ہی مل جاتا ہے یہاں جتنے پیسوں میں ایک سوٹ بنتا ہے وہاں دو بن جاتے ہیں۔انہوں نے بھائیوں کے سامنے جان کر کہا تھا، زارا کو ان سے اسی قسم کے شکریے کی توقع تھی۔سو نہ اسے حیرت ہوئی اور نہ برا لگا، اس کے علاوہ بھی وہ جو کچھ لائی تھی اسے بے حد سراہا جا رہا تھا۔

بچے اپنے کپڑے کھلونوں ارو کتابوں کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ نمائش کرتے تھے، زارا کو ان کی خوشی دیکھ کر اور بھی خوشی ہوتی۔ دونوں بھائی بھی دیکھتے مگر یونہی بس کن انکھیوں سے

جسیم بھائی اسے چھوڑ کر اگلی صبح ہی چلے گئے تھے، چلتے ہوئےانہوں نے بطور خاص اماں کا شکریہ ادا کیا تھا کہ انہوں نے زارا کو ان کے گھر رہنے کی اجازت دی۔

میں تو اس کے لیئے کچھ بھی ایسا نہ کر پایا مگر زارا نے میرے گھر کی کایا پلٹ دی نہ صرف گھر کی بلکہ گھر والوں کی بھی۔

اماں کا زارا کی صلاحیتوں کے بارے میں کوئی ایسی خاص خوش فہمی نہیں تھی۔سو یونہی سر ہلا کر رہ گئی۔زارا بھی وہیں پاس بیٹھی تھی ہلکے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اگلے مہینے سلمان گھر آ رہا تھا اور ابھی چند دن پہلے ہی صابرہ بھابھی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اماں سے مل آئے۔ پھر ایک دن وہ اسے لے کر سبین کے گھر جائیں گی،

صرف ہدتے بھر کی چھٹی تھی ان میں بھی دو دن آنے اور جانے کے،

بچے پانچ دن، وہ جس تیزی سے اڑ رہے تھے زارا کو اماں کے پاس، بیٹھنے باتیں کرنے کے لیئے سخت ناکافی تھے۔اماں کو بھی اس کی کیفیت کا اندازہ تھا سو ایک دن دبے لفظوں میں مشورہ دینے لگیں۔

ختم کر دو اس نوکری کے چکر کو، اگر شوق ختم ہو گیا ہو گھر میں بیٹھو۔

زارا کو ان کی بات سن کر بیحد حیرت ہوئی نہ تو وہ نوکری شوق میں کرتی تھی، دوسرے شہر گئی تھی اور نہ ہی گھر میں آرام سے بیٹھی تھی۔مگر اماں یہ بات بڑی جلدی بھول سی گئی تھیں شاید۔

تمہارے دونوں بھائیوں نے تو اتنا برا نہیں مانا ہے ظاہر ہے جسیم بھی ان کا بھائی ہی ہے ۔لیکن دونوں بھابھیوں کو بہت گلہ ہے، کہتی ہیں ہماری بے عزتی ہو رہی ہے۔لوگ کہتے ہیں ایک ذرا سی نوکری کے لیئے دوسرے شہر بھیج دیا ہے

زارا بہت غور سے اماں کے چہرے کو دیکھے گئی معلوم نہیں وہ کتنا مختصر کر کے بات کو سنا رہی تھیں، ورنہ بھابھیوں کی ایسی باتیں ہفتوں مہینوں لمبی ہوتی تھیں اور الفاظ کئی زیادہ تکلیف دہ۔

گو وہ اپنی گارمنٹ فیکٹری والی ملازمت میں زندگی کے دوسرے رخوں کو دیکھ کر صبر کی اہمیت کو جان گئی تھی مگر پھر بھی یہاں بہت کچھ تکلیف دینے لگا تھا۔

بھائیوں کی مستقل جھیلی جانے والی بے حسی اور بھابھیوں کی پیشانی کے مسلسل بل۔

کیا ضروری تھا کہ دوبارہ اسی سسٹم کا حصہ بنا جائے اور اب جب کہ وہ پہلی بار خود سے مطمئین ہوتی جا رہی تھی۔

مگر سوال اماں کا تھا اور ان کے لوگوں میں رہتے ہوئے بھی تنہائی کا۔

وہ اس کی تو کیا منتیں جسیم بھائی نے جانے کتنی بار منت سماجت کر لی، مگر وہ ان کے ہاں جانے پر ایک فیصد بھی راضی نہ ہوئی تھیں۔

زارا کی اور بات ہے مگر وہس اتنے رشتے دار ہیں میرے چلے جانے سے کیا کیا باتیں بن سکتی ہیں انہوں نے جسیم بھائی سے کہا تھا،

زارا کو اندازہ تھا کہ انہیں اپنے بیٹوں کی عزت کتنی پیاری ہے پتہ نہیں وہ اسے ہی کس دل سے بھیج پائی تھیں اور اب شاید پچھتا بھی رہی تھیں۔

یہاں آ کر کیا کروں گی اماں وہی سب جو پہلے تھا اب بھی وہی ہے۔ اماں کی بات کا جواب تو دینا ہی تھا۔

کیوں رہے گا ویسا تمہیں کونسا یہاں بیٹھے رہنا اپنے گھر میں خوش باش زندگی بسر کرنا اماں کا لہجہ اس کی کوٹھی کے تصور سے ہی بدلنے لگا۔ زارا چپ چاپ سی اماں کو دیکھے گئی۔

عدی بہت اچھا لڑکا ہے وہ تو اس کی بہن کی چل نہیں پا رہی، ورنہ کب کی اس کی شادی کرا چکی ہوتی۔ مجبوراً اسے بار بار مجھ سے ہی کہنا پڑ رہا ہے۔

زارا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو کمپوز کیا۔ اماں جب ایک بار میں نے کہہ دیا ہے کہ اس بات کو ختم کر دیں تو پھر کیوں بار بار یہی بات دہرائی جا رہی ہے؟

اس لیئے کہ کوئی برائی نہیں ہے اس میں۔ ارے روبینہ اگر تھوڑی سی بدمزاج ہے تو اس می بیچارے عدی کا کیا قصور اور آج کل برداشت رہ کس میں گئی ہے، یہ بتاؤ؟

بہرحال مجھے نہیں کرنی شاید۔ اس وقت اماں کے غصے کے آگے بھی نہیں دبا جا سکتا تھا نہ ابھی نہ کبھی۔

دروازے سے باہر برآمدے میں نکلتے ہوئے اس نے آخری کیل ٹھونکا تھا۔ بالکل سامنے برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے عدی کھڑا تھا، ایک لمحے کے لیئے وہ ٹھٹکی۔

یہ سوچنا کہ وہ کچھ نہ سن سکا ہوگا، حماقت تھی۔

چلو ایک طرح سے اچھا ہے خود کو تسلی دے کر وہ پورے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔

اللہ اکبر وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ ارادے تو بہت بلند ہیں۔ مگر اتنے حتمی فیصلے بھی نہ کیا کرو کیا خبر اللہ کو برا ہی لگ جائے۔

برآمدے میں آج سناٹا تھا دونوں بھابیوں اکٹھی کہیں گئی تھیں۔ اور یہاں اکیلے کھڑے ہو کر اس کی باتیں سننا سخت غیر ضروری تھا۔ اس نے کترا کر نکل جانا چاہا تو وہ تیزی سے بولا بس ایک بات زارا۔

وہ تھوڑا سا رخ موڑ کر صحن میں گیندے کی کیاری کو دیکھنے لگی۔ دو منٹ کے لیئے ہی سہی اس وقت اس کی بات سنے بنا کوئی چارہ نہیں تھا۔

میں تمہیں رکنے کے لیئے نہیں کہوں گا، تم شوق سے جاؤ۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، میں یہاں ہمیشہ

تمہیں اپنا انتظار کرتا ہوا ملوں گا۔

اپنی بات ختم کر کے وہ واپس مڑا اور صحن پار کرتا ہوا گیٹ سے باہر چلا گیا۔

بیلے کی پھول سے لدی کیاری دھندلانے سی لگی تھی،

ایک جگہ نگاہ جما کر دیکھنے سے اسی طرح پانی آنکھوں میں بھر آتا ہے۔ زارا نے خود کو یقین دلایا۔

فیکٹری کو واپس جوائن کیئے آج اسے چوتھا دن تھا اور ہوش و حواس اب تک ٹھکانے پر نہ آرہے تھے۔

کام کا دباؤ، ورکرز کی شکایتیں اور فن فیئر کی تیاریاں، اس ایک ہفت کی مختصر سی چھٹی منانے کی اسے اچھی خاصی سزا بھگتنی پڑی تھی۔ جس خاتون نے اس کی چھٹی میں سیٹ سنبھالی

تھی وہ محض خانہ پری ہی کر کے گئی تھیں۔ سوئے اتفاق بیگ صاحب بھی بے چارے اس ہفتے دو دن بخار میں گھرے رہے تھے۔ ایک ساتھ کام کے دو آدمیوں کو نہ ہونے سے کام کا جو حال ہونا تھا وہی ہوا تھا۔

جو دو بڑے آرڈر ڈیلیور کرنے تھے، وہ تاریخ سر پر آن پہنچی تھی، بیگ صاحب کا بیٹا پریشان سی شکل بنائے ان دنوں بار بار آفس کے چکر لگا رہا تھا۔

زارا سب کو تسلیاں دے رہی تھی۔

اس کی ایک ہفتے کی غر حاضری اتنی اہمیت اختیار کر لے گی اس کا اندازہ ہوتا تو وہ شاید اس ماہ بھی اپنا جانا کینسل کیئے رکھتی۔

اس روز کام کچھ زیادہ تھا۔ سب ک و دو گھنٹے کا اور ٹائم آفر کیا گیا تھا۔ چھٹی کے وقت صرف گیتی تھی جو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

زارا اس وقت ہال میں ہی تھی گیتی کو اٹھتا دیکھا تو اسے مزید رکنا یاد دلایا۔ مگر وہ شاید کبھی بھی تعاون کے لیئے تیار نہیں رہتی تھی۔

میں نہیں رک سکتی۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔

زارا کو اس کے انداز پر اب غصہ آنے لگا تھا مگر اپنی عادت سے مجبور تھی۔ سو درگزر کیئے جاتی اس کے دو تین بار کہنے کے باوجود بھی گیتی اپنا پرس اٹھائے ہال سے نکل گئی۔

زارا کو اس کے رویے سے بڑی بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔ یہ تو صدا کی ہی خود غرض ہے،

آپ چھوڑیں اسے بس۔

اس دن اپنے گھر آنے کے لیئے سب کو کیسے صاف منع کر دیا تھا

آپ نرمی بھی بہت کرتی ہیں زارا باجی زرا سختی سے کام لیا کریں۔

اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر چاروں طرف سے مشورے آنے لگے،

زارا کچھ جھنجھلا کر واپس اپنے کیبن میں آ بیٹھی،۔غلطی میری ہی ہے آیندی جو میں اس گیتی کے منہ لگوں اس نے خود کو تنبیہہ کی۔

آج کل روزانہ ہی گھر کو دیر ہو رہی تھی جسیم بھائی اور صابرہ بھابھی دونوں ہی اس کے لیئے فکر مند تھے۔

اتنے دن تمہیں یاد کرتی رہی اور اب جو آئی ہو تو کام ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔رات کے کھانے کے بعد صابرہ بھابھی صحن میں اپنے شکوے لیئے بیٹھی تھیں۔

آج بہت دن بعد زار پر سکون تھی ،آٹھ دس دن کی محنت کے بعد کام کا جن قابو میں آ چکا تھا۔بڑے آرڈر مکمل کر کے دیئے جا چکے تھے اور نمائش کی تیاریاں بھی بس مکمل ہی تھیں۔

بس اب کل سے وقت پر گھر اس نے مکسراتے ہوئے تسلی دی۔

صحن صاف ستھرا تھا اور دیوا کے ساتھ جسیم بھائی نے کتنے ہی خوش رنگ گملے لا رکھے تھے

۔

یہ ایک بڑا سرپرائز تھا جو صابرہ بھابھی نے اسے واپسی پر دیا تھا۔

کاٹھ کباڑ کے ڈھیر اور مرغیوں کے ڈبے جیسے کسی جادو کے زور سے غایٔب ہو گئے تھے۔

جسیم بھائی برآمدے میں سے اٹھ کر وہیں کرسی پر آن بیٹھے۔

نہ جانے کیوں زار کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔اس نے صاف دیکھا تھا کہ جسیم بھائی اور صابرہ بھابھی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا۔

تمہاری بھابھی اور میں تمہارے یہاں آنے سے کتنے خوش ہیں یہ ہم لوگ ہی جانتے ہیں۔ایسی خوشی جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔وہ تم نے ہمیں دی ہے بیٹا۔

ان کی محبت اور منہ سے نکلے الفاظ پر زارا کو دل و جان سے بھروسہ تھا۔مگر فی الوقت یہ تمہید تھی جو کچھ بھی وہ آگے کہنے والے تھے۔

مجھے تو سوچ سوچ ہی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ زارا چلی جائے گی ابھی ایک ہفتہ ہی کس مشکل سے گزرا ہے۔

صابرہ بھابھی کی آواز رندھنے لگی۔

جزباتیت کا یہ مظاہرہ شیاد بہت ہی نامناسب موقعے پر کیا گیا تھا۔تب ہی جسیم بھای نے ہلکی سی کھنکھار کے ساتھ انہیں تنبیہہ کی۔

بیگ صاحب بہت اچھے انسان ہیں مجھے بڑی بے فکری ہے اس طرف سے کہ تم اچھے ماحول میں کام کر رہی ہو۔بس کام بہت زیادہ ہے،اتنا مجھے اندازہ نہیں تھا۔

شاید وہ میرے لیئے کوئی دوسری ملازمت تلاش کر چکے ہیں زارا نے اندازہ لگانا چاہا

۔اگر ایسا ہے تو میں صاف منع کردوں گی۔

اپنے طور پر وہ فوری فیصلہ کر کے سنبھل کر بیٹھ گئی۔

مگر اصل بات یہ نہیں تھی۔

جب تک تمہارا دل چاہے تم شوق سے اپنی جاب جاری رکھو۔کسی بات کی بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں نے رابعہ آپا کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔

بات کیا ہے جسیم بھائی بتائیں نا پلیز۔اب اس سے رہا نا گیا۔

وہ اسٹیپ بائی اسٹیپ بات کی طرف آنا چاہ رہے تھے کچھ بوکھلا گئے۔

بات، بات کیا ہونی ہے میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔

صابرہ بھابھی نے تاسف سے سر ہلایا۔گھریلو معاملات میں جسیم بھائی کی کارکردگی ان کے خیال میں کبھی بھی قابل بھروسہ نہیں رہی تھی۔ بلکہ سوائے زارا کو یہاں لانے کے وہ ان کی کریڈٹ پر کچھ بھی رکھنے کو تیار نہیں تھیں۔

ارے زارا یہ عدی کیسا لڑکا ہے۔روبینہ کا بھائی ہے تمہیں کچھ تو اندازہ ہوگا اس بارے میں۔انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

اف یہاں بھی زارا کا ہاتھ بے ساختہ ہی پیشانی تک گیا تھا۔

غیر ہیں تو کیا ہوا۔تمہارے بھائی بہت تعریف کر رہے ہیں۔اتنا لڑکا خاندان میں تو کوئی ہے نہیں۔سب نکمے سے ہیں۔بے کار ہے پھر کا ندان خاندان کا شور مچانا۔

وہ بہت اطمینان سے اپنے سابقہ فلسفے کی تردید کر رہی تھیں۔

میں تو جب بھی جاتا ہوں اس متاثر ہوتا ہوں، سادہ دل، خوش مزاج، تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی انشاللہ جسیم بھائی نے حتمی نتیجے کی بھی ایک جھلک دکھانا ضروری سمجھی۔

جسیم بھائی پلیز زارا نے بیاختیار ہی ہاتھ جوڑے۔

مجھ نہیں کرنی شادی وادی اور آپ نے یہ زکر دوبارہ چھیڑا تو میں واپس چلی جاؤں گی۔

اور جب وہ بہت خفا خفا سی ان سے کہہ رہی تھی تو ایک بازگشت سی اس کے جواب می اس کے بہت قریب سنائی دی۔

اور میں تمہیں یہاں ہمیشہ ہی انتظار کرتا ہوا۔۔۔

حد ہے بھلا کیسی کیسی فضول باتیں میں یاد رکھنے لگی ہوں۔وہ اپنے آپ پر خفا سی ہوئی۔

ابھی اس موضوع کو یہیں چھوڑتے ہیں کل یا پرسوں بات کریں گے۔جسیم بھائی نے مصلحتا بات کو ٹالا۔

زارا کی غیر موجودگی میں اور بھی کئی باتیں جمع ہوگئی تھیں جو توجہ طلب تھیں۔

سبین کے گھرانے سے تعلق کی استواری سب سے اہم تھی۔ جسے پچھلے سالوں میں سابرہ بھابھی بڑی کوبی سے بالکل ہی ختم کر چکی تھیں۔

زارا بڑی دیر بعد جب وہ لوگ سونے کے لیئے اٹھ رہے تھے تو جسیم بھائی کو جیسے کچھ یاد آیا۔

کل تم چھٹی میں واپس گاڑی میں مت آنا میں آؤں گا بیگ سے ملنے تو میرے ساتھ ہی واپس آ جانا۔

زارا نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

مجھے کچھ چیزیں لینی ہیں واپسی میں آپ کے ساتھ لے لوں گی۔

صابرہ بھابھی نے اب چھوٹی موٹی فضول خرچیوں کا نظر انداز کرنا سیکھ لیا تھا سو کوئی نکتہ اعتراض ہواں سے بھی نہ آیا۔ بہت دن بعد اگلا دن سکون کا تھا۔ معمول کا کام تھا سو روانی سے ہوتا رہا۔ زارا نے بھی کافی آفس ورک نمٹا لیا تھا۔ ٹائم ختم ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے وہ بیگ صاحب سے کوئی بات کرنے گئی تو وہاں جسیم بھائی آئے بیٹھے تھے۔

ایک کاغذ کھولے کسی حساب کتاب میں مصروف۔

بیگ صاحب کے کانفیڈینشل چیریٹی فنڈز میں دل کھول کر عطیہ دینے والوں میں ایک جسیم بھائی بھی تھے۔

یہ بات اسے بیگ صاحب نے بتائی تھی نہ اس نے کبھی تصدیق چاہی اور نہ ہی جسیم بھائی نے کبھی اس بارے میں بات کی۔

زارا بس ان کے پرانے چھوٹے سے گھر اور پرانی موٹر سائیکل کو دیکھ کر حیران ہوتی تھی
۔

اس وقت بھی وہ ان کو دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی تھی۔ فیکٹری ٹائم ختم ہونے کے بعد اب

لڑکیاں زیادہ دیر رکتی نہ تھیں۔ ہال خالی ہو چکا تاھ، زارا نے حسب عادت ایک چکر لگا کر ہال پر ایک نگاہ دالنا ضروری سمجھا۔ تب ہی وہ بے ساختہ ایک میز کے آگے رکی تھی،

کرسی کے نیچے چھوٹا سا پرس گرا ہوا تھا۔

اور یہ سمجھنے میں اسے زرا بھی دقت نہیں ہوئی تھی کہ یہ پرس گیتی کا تھا۔

لڑکیاں ابھی تک گیٹ کے آس پاس موجود تھیں، زارا نے تیزی سے باہر نکل کر آس پاس نظر بھی دوڑائی مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

وہ نکلنے میں ہبت جلدی کرتی تھی اور یہاں کسے سے بھی اس نے اتنی دوستی نہیں بڑھائی تھی کہ دو منٹ ہی کھڑے ہو کر گپ شپ کر لے۔

زارا نے ایک نگاہ ہاتھ میں تھامے پرس پر ڈالی وہ بالکل عام سا سستا سا پرس تھا۔ جو عموما دکانوں کے باہر رعایتی داموں پر رکھے ہوتےتھے، ایک بار تو زارا کے دل میں آیا کہ وہ اسے کھول کر یدکھے مگر پھر کچھ اچھا نہ لگا۔

جسیم بھائی جانے کے لیئے تیار کھڑے تھے انہوں نے قصہ سنا تو لاپروائی سے بولے۔

اگر گھر قریب ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے۔ آؤ چل کر دیتے ہوئے نکل جائیں گے۔

لیکن یار تم زرا چیک کر لو کہ اس میں ہے کیا۔ پتہ چلے بعد میں وہ محترمہ کہیں کہ اس میں سے تو فلانی چیز غائب ہے۔

زارا نے تعریفی نگاہوں سے جسیم بھائی کی طرف دیکھا۔ اس طرف واقعی اس کا دھیان

نہیں گیا تھا اور گیتی جیسی بے مروت سے تو کچھ بھی امید کی جاسکتی تھی۔

چھوٹے سے پرس میں کچھ خاص کیا عام بھی نہیں تھا۔

دس بیس کے چند مڑے تڑے سے نوٹ، ریز گاری اور چند کاغز۔

زارا نے یونہی کاغز کھول کر دیکھا تو کسی لیبارٹری سے ہونے والے پتھالوجی ٹیسٹ کی سلپ تھی۔

پتہ نہیں کون بیمار تھا۔

اسے اپنی بے خبری پر تھوڑا افسوس بھی ہوا، اس کی اس مہینے کی تنخواہ ابھی تک بیگ صاحب کے پاس رکھی تھی۔اس وقت اسے بازار جانے کی جلدی بھی تھی سو اپنی تنخواہ کے پیسے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے اس نے وہ چھوٹا سا پرس بھی بیگ میں ڈال لیا۔

گیتی کا گھر خلاف توقع اتنا قریب نہیں نکلا جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

رجسٹر میں سے ایک چھوٹے سے پرچے پر لکھ کر لایا ہوا ایڈریس۔پچھلی سڑک پر پہنچ کر اس نے جسیم بھائی کو دکھایا تو وہ ایک نگاہ دالتے ہی سمجھ گئے۔

یہ فلیٹس یہاں تھوڑ ہیں، اچھا خاصا آگے ہیں۔

کیا بہت دور ہیں َ؟ اس نے حیرت زدہ سا ہو کر ان کی طرف دیکھا،

بہت دور تو نہیں لیکن بہر حال پیدل وال راستہ بھی نہیں ہے چلو اب نکلے ہیں تو دیکھ ہی لیتے ہیں۔

وہ دوبارہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگے۔زارا مشکور سی ہوتی ان کے پیچھے بیٹھ گئی۔

جسیم بھائی نے ٹھیک ہی کہا تھا فاصلہ اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھا، کم از کم وہ میل بھر چلنے کے بعد خود میں ہمت نہ پاتی تھی۔

جسیم بھائی اس کی بات سن کر ہنسنے لگے۔

جب ایک بار عادت پڑ جائے پھر کچھ مشکل نہیں ہوتا، میرے ایک دوست ہیں وہ صبح شام اتنے ہی فاصلی کی واک مزے سے کر لیتے ہیں یہ تمہاری گیتی بھی خود کو فٹ رکھنے کے لیئے واک ضروری سمجھتی ہوگی۔۔

زارا کی آنکھوں میں گیتی کا تناسب سراپا گھومنے لگا۔شاید یہی بات ہو۔

جسیم بھائی شہر کو اتنا جانتے تھے کہ اس بار انہوں نے موٹر سائیکل سیدھا گیتی کی فلیٹ کے نیچے ہی لا کھڑی کی۔

زارا نے نگاہ اٹھا کر اس بلڈنگ کی طرف دیکھا، بہت ہی پرانے بنے فلیٹ۔جن کی بالکونیاں آگے کی طرف جھکتی محسوس ہو رہی تھین۔قریب کی دکانوں میں تیز آواز میں بجتے فلمی گانے اور فٹ پاتھ پر لائین سے کھڑے، برگر جوس اور چاٹ وغیرہ کے ٹھیلے۔

رکو میں بھی تمہارے سات ہی اوپر چلتا ہوں۔جسیم بھائی کا دل نہیں مانا اسے اکیلا کسی اجنبی کے گھر بھیجنے کو۔

اور رکنا نہیں، بس پرس دے کر واپس ہو لینا ٹھیک۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہاسے ہدایت دے رہے تھے۔

زارا کو پتہ تھا کہ گیتی اسے مروتا بھی رکنے کے لیئے نہیں کہے گی ،اور کیا پتہ وہ اس کے یہاں آنے پر ہی برا مان جائے۔

ایک دفع تو اسے افسوس ہی ہوا کہ وہ یہاں تک آئی کیوں۔فلیٹ نمبر 27 بالکل سامنے تھا یہاں کوئی بیل نہیں تھی۔

جسمی بھائی دستک سے کر تھوڑا سا پیچھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔

دروازہ کھلنے میں بمشکل دو منٹ لگے ہوں گے۔

کس سے ملنا ہے؟ سامنے کھڑی معمر سی خاتون اس سے پوچھ رہی تھیں۔

جی وہ گیتی آراء سے۔زارا کے لیئے وہاں کسی اور کی

موجودگی ہی حیرت کا باعث تھی،

آجاؤ اندر آجاؤ وہ ملائیمت سے کہتی ہوئی اسے اندر آنے کا راستہ دے رہی تھیں۔

زارا نے مڑ کر جسیم بھائی کی طرف دیکھا وہ اسے اشارے سے اندر جانے کا کہہ رہے تھے ۔بس دو منٹ کے لیئے ہی سہی وہ خود کو یاد دلاتی اندر چلی گئی۔

مختصر سا دو کمروں کا فلیٹ ایک ہی نظر میں پورا دکھ جاتا تھا۔

سامنے والی کمرے میں کوئی لیٹا تھا، گھر می واقعی کوئی بیمار تھا زارا کو پرس میں رکھی رسیدیں یاد آئیں۔

میرا بیٹا ہے۔گیتی کا بھائی انوں نے اس کی نگاہ ادھر جمے دیکھ کر خود ہی بتایا۔

:بیمار ہیں کیا؟:

بیمار۔ایک ٹھنڈی سانس جیسے سسکی کی طرح فضاء می گونجی تھی،

شام کا سرمئی سا غبار اس چھوٹے سے فلیٹ میں جانے کیوں ملگجا سا، بہت ہی گھبراہٹ سی پیدا کرنے وال محسوس ہو رہا تھا۔

پانچ سال پہلے کارخانے میں کام کرتے ہوئے حادثے کا شکار ہوا تھا۔تب سے معزور ہے،تم گیتی کی سہیلی ہو یا کام کرتی ہو اس کے ساتھ؟

وہ اسے اشاری سے بیٹھنے کا کہہ کر پوچھنے لگیں۔مختصر سے لاؤنج میں دو ہی کرسیاں تھیں۔

لوہے کی پایئپ کی زنگ آلود جن کی سیٹ جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی تھی،

یہ سب کیا تھا آخر؟ زار کے دل پر بوجھ سا بڑھنے لگا۔

یہ لو پانی پی لو وہ کچن میں سے اس کے لیئے پانی لے آئیں۔

زارا کو برا غنیمت لگا، اس وقت اسے یقیناً پانی کی ضرورت تھی۔

گیتی تو رات گئے تک گھر لوٹتی ہے،فیکٹری سے۔

اٹھ کر شام سے رات تک ایک اسٹور پر کام کرتی ہے۔کیا کریں خرچہ پورا نہی ہوتا فیکٹری میں اوورٹائم کرنے والی عروتیں زیادہ ہیں وہاں اسے کام نہیں لتا۔

زارا کو پانی حلق میں اٹکتا محسوس ہوا۔

بہت دور جانا پڑتا ہے میں نے تو کہا تھا یہیں فیکٹری میں مالکوں کی منت سماجت کر لے، تھوڑی سہولت ہو جاتی اس کی جان کو مگر نہیں مانی۔

زارا کو اس کا اپنے کیبن میں آنا یاد آ رہا تھا اور اپنا انکار بھی محض ایک مفروضے کی بناء پر۔

شروع سے ہی ایسی ہے خوددار اور محنتی۔ لاکھ سمجھاتی ہوں کہ جب تک منہ سے نہیں بتاؤ گی لوگ تم پر پڑی مصیبت کو کیسے سمجھیں گے؟؟

اور وہ اس کے شوہر؟ خود کو شرمندگی سے نکالنے کے لیئے اس نے آخری سرا پکڑنا چاہا۔

وہ، وہ تو کب کا بھاگ گیا، سات آٹھ سال پہلے طلاق دے دی تھی۔ کہتا تھا کہ بچے نہیں ہیں ایسی عورت کو رکھ کر کیا کرنا ہے، اب بھلا بتاؤ اس میں گیتی کا کیا قصور تھا، کر لیتا دوسری شادی گیت نے تو بہت کہا تھا۔

وہ جان چھڑکنے وال شوہر جس کے لیئے اسے ہر وقت ہی پیسوں کی ضرورت رہتی تھی،

ایک فینٹسی تھی یا بھرم بنائے رکھنے کی کوشش۔؟

میں بھی کیا دکھ بھری داستان لے کر بیٹھ گئی گیتی ہوتی تو بہت خفا ہوتی۔ وہ کہتی ہے ہماری مصیبت صرف ہامرے اپنے جھیلنے کے لیئے ہوتی ہے دوسروں کو سنا کر ان کا موڈ اور وقت نہیں برباد کرنا چاہیئے۔ تمہارے لیئے چائے بناؤں۔ زارا کی مسلسل خاموشی سے وہ بے چاری شرمندہ ہو کر پوچھنے لگیں۔

نہیں میں چلتی ہوں حلق میں اٹکے ہوئے بہت سے آنسو کو اندر اتارتی ہو کھڑی ہو گئی۔

بیٹھو نا، اچھا لگا تم آئیں۔ میں تو سارا دن بیٹھی گیتی کا انتظار کرتی رہتی ہوں، یا پھر راس کی دیکھ بھال۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے بیٹے کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

کیا کہتے ہی ڈاکٹر؟

مصنوعی ٹانگ لگ جائے تو کسی طرح زندگی کی طرف لوٹ آئے گا، گیتی بھاگ دوڑ کر تو رہی ہے۔

ہو جائے گا انتظام انشا اللہ۔ پہلی بار اسے لگا بھی بھی کچھ کیا جا سکتا ہے آپ بے فکر رہیں

۔

ایک منٹ۔ تب ہی زارا ہو یاد آیا کہ وہ یہاں کس کام سے آئی تھی۔ بیگ میں ہاتھ ڈالتے وقت اس کا ہاتھ بیک وقت دو چیزوں سے ٹکرایا۔

لمحے کی بھی دیر کیئے بغیر اس نے اپنی تنخواہ والا لفافہ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔

بہت پہلے گیتی سے میں نے قرض لیا تھا آج وہی لوٹانے آئی ہوں۔

رکھ لیجیئے امانت ہے اس کی۔ ان کے چہرے پر تزبزب کے آثار دیکھ کر بہت اصرار سے اس نے وہ رقم ان کے ہاتھ میں تھمائی،

اچھا پھر آنا ان کے لہجے میں اس بار بڑی طمانیت تھی،

پتہ نہیں یہ چند ہزار روپے ان کے لیئے کیا معنی رکھتے تھے۔ زاراک ولگ رہا تھا جیسے اب ہوزارا بھی رکی تو یہیں رونا شروع کر دے گی۔

سامنے جسیم بھائی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔اتنی دیر۔

وہ انہیں جواب دیئے بغیر سیڑھیوں کی رطف بڑھ گئی تب ہی گیتی کی امی پکار کر بولیں۔

گیتی آئے تو کیا نام بتاؤں اسے۔تم نے نام تو بتایا ہی نہیں۔

جی بشری۔

اس نے پلٹ کران کی طرف دیکھا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

جسیم بھائی اس کے پیچھے آتے ہوئے بڑی حیرانی سے پوچھ رہے تھے، یہ بشرہ کون ہے آخر؟۔۔۔۔۔زارا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ بشرہ تھی یا بلقیس کیا فرق پڑتا تھا، چند ضروری فیصلے سیڑھیوں سے یہاں تک آتے آتے فوراہی ہوئے تھے۔

پرس دے دیا تم نے؟ان کی کوئی چیز کم تو نہیں تھی؟ وہ پوچھ رہے تھے۔

نہیں آپ بیگ صاحب کو دے آیئے گا کہہ دیجیئے گا ہمیں گھ نہیں ملا۔

کیا؟ مگر اس نے ان کی حیرت کی پرواہ نہیں کی تھی۔اور یہ کہ میں کل سے فیکٹری نہیں جاؤں گی۔

آپ پلیز گیتی کو یہ جاب دلوا دیجیئے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت کے ساتھ جسیم بھائی نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہیں پتہ چل گیا تھا کہ بشری کون تھی

بس اب گھر چلیں بازار پھر کسی دن چلیں گے۔

اس نے انگلی کی پور سے آنسو صاف کیا دکھ کی کیا کیا شکلیں اور انسان کی بے بسی جسیم بھائی کہتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کرنے لگے۔

زارا نے نگاہ اٹھا کر پھر ان جھکتی ہوئی بالکونیوں کی طرف دیکھا جہاں تین بے ضرر سے لوگ زندگی کی ہلکی سی چمک سے بھی محروم جی رہے تھے۔

اس تاریکی کو بلا آخر چھٹنا ہی تھا۔

اسے یقین تھا کی جسیم بھائی اور بیگ صاحب گیتی کے بھائی کے لیئے کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔آدمیوں کی بھیڑ میں آکر انسان بھی بستے ہی ہیں۔جسیم بھائی کے ساتھ گھر کی طرف جاتے ہوئے دھیرے دھیرے اس کا اطمیان گہرا ہونے لگا اور اس کا کیا ہے۔

بس بیگ ہی تو پیک کرنا ہے۔

واپسی پر کوئی اس کا منتظر ہے۔

اور شاید عدی اتنا برا بھی نہیں۔بہت سمجھدار لوگ اس کی تعریف کرتے نہیں تھک رہے۔

پہلی بار اس نے خود کو سمجھایا۔

ختم شد ------------------------- The End